میں نے

اسلام کیوں قبول کیا؟

برطانیہ کے ایک عظیم دانشور، کیمبرج یونیورسٹی کے محقق و مفکر

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

مترجم

غلام مرتضیٰ سعیدی صاحب

RA
RAZA ACADEMY

رضا اکیڈمی
یو کے
لاہور آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷۸۶

نعت رسول صادق

سما بلغ العلی بکماله

[illegible] کشف الدجی بجماله

وصف خُلق او حسنت جمیع خصاله

قرآن با خلاق تو شد گواه صلوا علیه و آله

صدقاً فقلنا [illegible]

کتبہ تاج الدین زرین رقم

میں نے

اسلام کیوں قبول کیا؟

برطانیہ کے ایک عظیم دانشور، کیمبرج یونیورسٹی کے محقق و مفکر

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

مترجم

غلام مرتضیٰ سعیدی صاحب

حضرت علامہ مولینا الحاج پیر محمد الیاس قادری پھتر دہی کشمیری

رضا اکیڈمی یو کے آزاد کشمیر

نام کتاب — میں نے اسلام قبول کیوں کیا؟

مصنف — پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون (نومسلم) برطانیہ

مترجم — غلام مرتضیٰ سعیدی (ایم اے اردو، فلسفہ، گولڈ میڈلسٹ پنجاب)

پروف ریڈنگ — حضرت علامہ مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری

مرتب — الحاج پیر محمد الیاس چھتروہی قادری، کشمیری
بانی رضا اکیڈمی (انٹرنیشنل)

باراول — ربیع الاول ۱۴۲۶ ہجری/اپریل 2005ء

ناشر — Raza Academy (International)
138-Northgate Road, Stockport, SK3 9NL, U.K.

رضا اکیڈمی کی شاخیں

رضا اکیڈمی: داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور
رضا اکیڈمی: مدینہ مسجد سیکٹر سی 2 میرپور آزاد کشمیر
رضا اکیڈمی: 104 جیسولی بریلی، یوپی (انڈیا)

پاکستان میں ڈسٹری بیوٹر: علمی پبلشرز داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور
مکتبہ اشرفیہ مرید کے ضلع شیخوپورہ

انڈیا میں ملنے کا پتہ: رضا اسلامک اکیڈمی 104 جیسولی، بریلی، یوپی (انڈیا)

اس کتاب کو "رضا اکیڈمی سٹاکپورٹ یوکے" کی سلور جوبلی کے موقع پر شائع کیا گیا

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب

تعارف

نومسلم انگریز پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کے قبولِ اسلام پر اہلِ اسلام بالعموم اور اہل سنت جتنا بھی فخر کریں کم ہے ۔ان جیسے دانشور کا اسلام کے دائرہ میں آنا حقانیتِ اسلام کے ایک زندہ معجزہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ۔ان کو مجھ سے زیادہ قریب سے کسی نے شاید ہی دیکھا ہو ان سے اسلام ،اہلسنت ،اور امام احمد رضا پر جو کام احقر نے کروایا اگر وہ مجھ سے نہ ملتے تو وہ یہ علمی اور تبلیغی کام شاید کبھی نہ کر سکتے ۔ میری ان سے پہلی ملاقات ان کے اسلام قبول کرنے کے ایک سال بعد ہوئی ۔اس وقت شیطان سلمان رشدی نے اپنی ناپاک کتاب لکھی تھی۔اس ناپاک کتاب کا پہلا علمی ردعمل پروفیسر آصف حسین اور احقر نے لکھا اور ایک دوست کے نام سے اس کا پہلا ایڈیشن منظرِ عام پر آیا۔کتاب اتنی مقبول ہوئی اور اس کی مانگ اتنی بڑھی کہ ہم کو اسکے دو ماہ میں دو ایڈیشن شائع کرنے پڑے۔یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کو بھی پہنچی اور انہوں نے مجھے اور پروفیسر صاحب کو لکھا اگر آپ کو کسی قسم کے تعاون کی ضرورت ہو تو مجھ سے رابطہ کریں ۔

ایک محفل میں پروفیسر صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی ملاقات ہوئی،

پھر ایک دن پروفیسر صاحب میرے ہاں تشریف لائے اور کہا کہ آؤ چلیں تم کو ایک نومسلم پروفیسر سے ملاقات کرواتا ہوں پروفیسر صاحب کو میں اپنی کار میں پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کے گھر لے گیا۔ چونکہ پروفیسر آصف حسین صاحب کو دعوت تھی اور مجھ کو نہیں تھی اس لیے میں گھر کے اندر نہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے ان کو بتایا کہ ایک ساتھی جو مجھے کار میں لائے ہیں باہر کار میں بیٹھے ہیں اور انہوں نے میرے بارے میں بتایا کہ ''رضا اکیڈمی'' قائم کی ہوئی ہے اور انگریزی ماہنامہ'' دی اسلامک ٹائمز'' شائع کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے مکان سے باہر آکر گھر کے اندر آنے کی دعوت دی۔ میں ان کے ساتھ گھر کے اندر گیا اور انھوں نے مجھے بتایا کہ تمہارا ماہنامہ'' دی اسلامک ٹائمز'' وہ پڑھتے رہتے ہیں اور اس کو انہوں نے بڑا مفید پایا ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ ہمارے ماہنامے کے لیے لکھا کریں۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ لکھا کریں گے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ جو انھوں نے پہلے ہی اسلام پر لکھا ہوا ہے وہ بھی عنایت فرمائیں۔ تو انھوں نے اپنا فون نمبر دیا اس کے بعد ہم چلے آئے۔ تقریباً ایک مہینہ بعد میں نے ان کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی اور پھر وہ وقت پر تشریف بھی لائے ہم نے ایک ساتھ کھانا کھایا اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کیا۔

میرے ساتھ اس پہلی ملاقات میں جو میرے گھر پر ہوئی میں نے ان کو امام احمد رضا کے بارے میں بتایا کہ اسلام اور اہل سنت کے لیے امام احمد رضا کی تحریکیں اور علمی خدمات کیا ہیں اور انھوں نے اسلام اور اہل

سنت کے لئے کتنا بیش قیمت کام اپنے عہد میں کیا ہے۔ان کو یقین نہ آیا کیونکہ انھوں نے امام احمد رضا کے تمام معاصرین کے بارے میں پڑھا تھا مگر کسی کتاب میں اعلیٰحضرت بریلوی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ دیکھا تھا۔ بہرحال میں نے ان کو امام احمد رضا کے اردو ترجمۂ قرآن ،سلام رضا کا ترجمہ اور الدولۃ المکیہ کا خلاصہ انگریزی میں چھپے ہوئے دیئے۔ یہ تمام تراجم رضا اکیڈمی برطانیہ نے شائع کئے تھے۔

اس پہلی ملاقات میں، میں نے ان سے عرض کیا کہ اپنے قبول اسلام کے بارے میں ایک کتاب لکھیں۔ انھوں نے فرمایا اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے مگر کوشش کروں گا۔ایک ہفتہ بعد انہوں نے مجھ کو فون کیا اور اپنے گھر بلایا۔میں وہاں گیا اور انہوں نے فرمایا تم نے جو لکھنے کو کہا تھا میں نے لکھ دیا ہے اب اس کو شائع کرو میں نے انکی یہ کتاب ''میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟'' بزبان انگریزی (Why I accepted Islam) شائع کردی۔ اسکی بہت پذیرائی ہوئی۔اہل علم اور تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں و نومسلموں نے اس کو بہت پسند کیا اور کتنے ہی انگریز اس کتاب کو پڑھ کر کفروشرک کی تاریکیوں سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔آج تک اس کتاب کے کتنے ہی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔میں نے لاہور میں محترم غلام مرتضیٰ سعیدی سابق صدر انجمن طلباء اسلام ،پاکستان (A.T.I) سے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کے لیے عرض کیا، اور انھوں نے ترجمہ کردیا اور وہ کتاب شائع بھی ہوئی۔ یہ کتاب آج کے دور میں اسلام کا سب سے عمدہ اور علمی تعارف ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں جن موضوعات کو اپنے اسلام قبول

کرنے کے لیے زیر قلم کیا ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) تعارف (۲) ذاتی وجوہات (۳) سیاسی وجوہات (۴) دانش وارانہ وجوہات (۵) اسلام ہمیشہ رہے گا (۶) اخلاقی وجوہات (۷) اسلام کی حقانیت (۸) نتیجہ

جب کوئی جدید ذہن ان عنوانات ہی کو ایک نظر دیکھتا ہے تو وہ دنگ رہ جاتا ہے اور عش عش کہہ اٹھتا ہے کہ اس انسان کے پاس کوئی خاص انعامِ خداوندی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا اور یادداشت بلا کی تھی وہ ۶۰۰ صفحات کی کتاب ایک گھنٹہ میں پڑھ لیتے اور ان کو یاد بھی رہتا کہ کون سا واقعہ یا بات کس صفحہ پر ہے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا ۔انھوں نے اس فضل خداوندی کا اظہار اپنے قلم سے خوب کیا۔ مشکل سے مشکل موضوعات پر انھوں نے لکھا اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ انگریزی ان کی مادری زبان تھی مگر ہر انگریز بھی آسان زبان میں بڑی بڑی باتیں آسانی پیرائے میں بیان نہیں کر سکتا مگر پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کا یہ خاص کمال تھا کہ وہ بہت ہی آسان زبان میں مشکل سے مشکل بات کر سکتے تھے اور لکھ بھی سکتے تھے۔ ان کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت آسان سلیس زبان میں ہیں۔

میں نے ان سے امام احمد رضا پر لکھنے کے لیے عرض کیا ۔

انھوں نے امام احمد رضا پر ایک تحقیقی مقالہ ''امام احمد رضا کی عالمی اہمیت'' (World Importance of Islam Ahmad Raza) کے نام

سے لکھا اس تحقیقی اور جامع مقالہ میں ڈاکٹر محمد ہارون نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔امام احمد رضا پر اس سے بہتر شاید ہی کسی نے اس طرح گہرائی و گیرائی ،علمی، تحقیقی انداز میں لکھا ہوگا احقر نے اس مقالہ کو ''ماہنامہ دی اسلامک ٹائمز'' میں شائع کیا پھر اس کو کتاب کی شکل میں طبع کرایا پھر اس کا ترجمہ ڈاکٹر ظفر اقبال نوری صاحب سابق صدر انجمن طلباء اسلام ، پاکستان نے احقر کی فرمائش پر کیا۔ نیز یہی ترجمہ میں نے اشاعت کے لیے ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف روانہ کیا اور لکھ دیا کہ مترجم کون ہیں ۔کسی وجہ سے مترجم کا نام لکھنے سے رہ گیا۔ یہ ترجمہ کراچی ،لاہور اور دیگر جگہوں سے بھی شائع ہوا مگر کسی بندہ خدا نے یہ زحمت گوارہ نہ کی کہ جستجو کی جائے کہ مترجم کون ہے ؟ یہ مقالہ شائع ہوتا رہا اسے خوب پسند کیا گیا۔میرے عرض کرنے پر بھی آج تک کسی محترم نے یہ غلطی درست نہیں کی۔اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ ایسا عظیم کام مجھ سے ادنیٰ کے ہاتھوں کیوں ہوا ؟ کسی بزرگوار نے یہ بھی لکھنے پوچھنے کی تکلیف گوارہ نہ کی کہ ایک نوٹ لکھ کر یہ بتایا جائے کہ ڈاکٹر محمد ہارون کہاں اور کون ہیں؟ بعض نے تو اپنی تحقیق (گھر بیٹھے) سے لکھ دیا کہ ڈاکٹر محمد ہارون نے امام احمد رضا کی کتابیں پڑھ کر اسلام قبول کیا۔ یہ ایک دیوانے کی بڑھ تو ہوسکتی ہے مگر حقیقت سے اس کا ذرہ برابر تعلق نہیں ۔1988ء تک کتنی کتابیں امام احمد رضا کی انگریزی میں چھپی تھیں ۔کیا ان بزرگوں میں کوئی بتا سکتا ہے ؟ شاید اس سے ہمارے علم میں اضافہ ہو!

میں ڈاکٹر محمد ہارون سے مسلسل اصرار کرتا رہتا کہ امام احمد رضا پر

وہ مزید لکھیں مگر وہ کہتے کہ مجھ کو اصل کتابیں انگریزی میں دو کہ امام صاحب نے کیا لکھا ہے یا کوئی خاص اشارہ کسی خاص موضوع پر کیا ہو۔ بہرحال میں نے امام احمد رضا کے ایک رسالے ''تدبیر فلاح و نجات اصلاح'' کا ترجمہ ایک ساتھی ڈاکٹر محمد رضا سے کرایا۔ جس میں امام احمد رضا نے چار نکات لکھے ہیں۔ یہ ترجمہ جب تیار ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے اس کو بہترین اور معیاری انگریزی میں احقر کے تعاون سے ایڈیٹ کیا اور پہلے دو نکات پر پانچ جامع تحقیقی مقالات لکھے۔ اس موضوع پر اس سے پہلے اتنے مفصل علمی، گہرائی اور گیرائی سے کسی بھی اہل علم و قلم نے نہیں لکھا۔ ہم نے ان مقالات کو ماہنامہ اسلامک ٹائمز میں پانچ اقساط میں شائع کیا اور پھر پانچ مقالات کتاب بنا کر انگریزی میں شائع کیا۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر مولانا عبدالنعیم عزیزی صاحب، بریلی شریف (بھارت) کا جنہوں نے خود ہی ان مقالات کو اردو میں ترجمہ کردیا جو ہم نے کتابی صورت میں شائع کردیے۔ پاکستان میں بھی کراچی و لاہور سے یہ مقالات شائع ہوئے مگر کثرت اغلاط کے ساتھ۔

اس دوران ہم کوشش کرتے رہے کہ امام احمد رضا کی کتابوں کے انگریزی تراجم مزید شائع کریں ہماری تحریک پر تراجم ہم کو ملنے لگے اگرچہ ترجمے بہت ہی کمزور اور پرانی انگریزی میں تھے۔ ان کو ہم نے خوب محنت کے ساتھ ایسا تیار کیا کہ اگر امام احمد رضا کی یہ کتب انگریزی میں ہوتیں تو یقیناً بالکل ایسی ہی ہوتیں۔ ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نے ایڈیٹنگ کا کام کیا۔ میں ان کی مدد کرتا کیونکہ میں اردو جانتا تھا، وہ اردو نہیں جانتے تھے۔ اس

طرح ہم دونوں مل کر یہ کام کرتے رہے اور ترجمے تیار ہو کر چھپنے لگے۔ یہ تراجم بشیر حسین ناظم صاحب، ڈاکٹر مولانا عبدالنعیم عزیزی صاحب، ڈاکٹر مطلوب حسین صاحب، ڈاکٹر محمد رضا صاحب، پروفیسر غیاث الدین قریشی صاحب، ڈاکٹر محمد جونیجو صاحب، محمد افضل حبیب صاحب اور محمد ستار صاحب نے کیئے۔ یہ سلسلہ آہستہ آہستہ مزید آگے بڑھنے لگا۔ دوسرے اہل علم نے بھی تراجم کیئے۔

اس عرصہ میں پروفیسر غیاث الدین قریشی صاحب نے '' تمہید ایمان'' کا ترجمہ کیا۔ پروفیسر صاحب کی انگریزی اچھے معیار کی تھی مگر آسان نہیں تھی۔ ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نے ان کی انگریزی کو نہایت آسان اور اعلیٰ معیار کا بنایا۔ احقر کے بار بار اصرار پر پروفیسر غیاث الدین قریشی صاحب مرحوم نے '' حدائقِ بخشش'' کی نعتوں کا منظوم انگریزی ترجمہ شروع کیا اور یہ تراجم بہت پسند کیئے گئے اور ہمارے ادارہ نے انہیں کتابی صورت میں کر شائع کیا۔

ڈاکٹر محمد ہارون صاحب اس پر نظر ثانی کرتے اور کئی بار ایسا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب مجھ سے پوچھتے یا اگر پروفیسر غیاث الدین قریشی صاحب ہوتے تو ان سے پوچھتے کہ امام احمد رضا کا اتنا اعلیٰ پائے کا کلام ہے یا قریشی صاحب اس کو اعلیٰ بنا کر ترجمہ کر رہے ہیں تو میں اور قریشی صاحب انہیں بتاتے کہ یہ تراجم امام کے کلام کے سامنے کچھ بھی نہیں اور قریشی صاحب کبھی فرمادیتے کہ میرا ترجمہ اصل کلام کے مقابلے میں 80% ہے اور ڈاکٹر صاحب کہتے امام احمد رضا کی شان ایسی ہی تھی کہ ان کا کلام اعلیٰ

پایہ کا ہونا چاہیے۔اور جب دوسرے تراجم ڈاکٹر ہارون نے ایڈیٹ ADDET کیے تو وہ سمجھنے لگے کہ امام احمد رضا اس مقام کے لائق ہیں اور گزشتہ دور کے بزرگوں کے جانشین کی شان ایسی ہی ہونی چاہیے کہ ان کے کلام نظم و نثر اعلیٰ معیار کے ہوں۔

ہم نے کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دس تعلیمی نکات، ترجمہ کروا کر ڈاکٹر صاحب کو دیں تا کہ وہ اس موضوع پر بھی لکھیں۔جیسا وہ پہلے دوسرے موضوعات پر لکھ چکے ہیں۔یہ کام محترم محمد افضل صاحب نے بخوبی انجام دیا۔اور پھر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نے اس موضوع پر بھی اعلیٰ معیار کے دو علمی اور تحقیقی مقالات لکھے اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ڈاکٹر محمد ہارون ایک بین الاقوامی دانش ور تھے اور جو کچھ وہ لکھتے وہ بین الاقوامی معیار کا ہوتا اور اتنی گیرائی و گہرائی سے امام احمد رضا پر پہلے کسی نے نہیں لکھا۔یہ ڈاکٹر محمد ہارون کے مقدر میں تھا کہ نو مسلم ہو کر بھی انھوں نے وہ کام کیا جو برصغیر پاک و ہند کے سنی اسکالرز کو کرنا چاہیے تھا مگر یہ ان کے مقدر میں تھا اور انھوں نے کر دیا۔اور اس علمی انداز میں کیا کہ ان کی خدمات کی جتنی بھی تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ایسے فکرو نظر دانش اور اس صدی میں شاید ہی ہوا ہو۔اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے بے شمار مقالات لکھے اور وہ تمام مقالات اس قابل ہیں کہ ان کو کتاب بنا کر شائع کیا جائے اور جلد ایسا ہوگا انشاء اللہ العزیز

ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں ان کی ۲۰ کتابیں شائع ہوئیں نیز انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ بہت ہی اعلیٰ معیاری کی انگریزی میں کیا اور

تفسیر قرآن پر بھی انھوں نے کام شروع کیا اور آخری پانچ سپاروں کی تفسیر لکھی۔

ان کی جو کتابیں شائع ہوئیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

(۱) میلاد النبی ﷺ (۲) غوث الاعظم رضی اللہ عنہ (۳) اسلامی سزائیں (۴) اسلامی ریاست (۵) اسلامی معاشرہ کا قیام (۶) اسلام اور شراب (۷) اسلام میں عورت کا مقام (۸،۹) بنیاد پرستی دو حصے (۱۰) میں مسلمان کیوں ہوا؟ (۱۱) قادیانی سے مسلمان خبردار رہیں (۱۲) حزب التحریر سے مسلمان خبردار رہیں (۱۳) عصمت انبیاء (۱۴) امام احمد رضا کی عالمی اہمیت (۱۵) سائنس کے حدود (۱۶) قرآنِ آخری کلام الٰہی (۱۷) امام احمد رضا کا عالمی منصوبہ (۱۸) سورۃ یٰسین کا ترجمہ اور تفسیر (۱۹) اسلام اور اللہ کی حاکمیت اعلیٰ (۲۰) امام احمد رضا کی ۱۹۱۲ء کی پالیسی۔

یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر محمد ہارون ایک سچے مسلمان تھے۔انہوں نے اسلام کے لیے اپنی مختصر زندگی میں جو اعلیٰ اور معیاری کام کیا یہ کام ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا ورنہ بڑے بڑے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر محمد ہارون صاحب قبولِ اسلام کے روز اول ہی سے ایسے نہیں تھے مگر ان کو اس راستے پر پوری طرح گامزن کرنے میں احقر کا بڑا عمل دخل ہے اور اگر میری ان سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو شاید وہ اتنا کام نہ کر پاتے جتنا انھوں نے کیا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

نومسلم برطانوی مسلمان پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب جہاں ایک بڑے بین الاقوامی اسکالرز اور صاحب علم وفضل تھے اتنے ہی وہ مخلص، سادہ اور معمولی اور عام

زندگی بسر کرتے تھے سنت رسول ﷺ کے مطابق زمین پر بیٹھنے کو ترجیح دیتے اور بات بات میں رسول رحمت ﷺ کی احادیث صحابہ اور بزرگان ملت کے اقوال کا حوالہ دیتے اور عمل بھی کرتے اور دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کرتے نیز تحریروں مین جو کچھ لکھتے وہ دل سے ہوتا، پہلے وہ اس پر خود عمل کرتے پھر دوسروں سے بھی امید کرتے کہ وہ عمل کریں اور دنیا و آخرت دونوں کو سنوار لیں۔

میں نے زندگی میں بہت بڑے بڑے عالم ،اسکالرز، پروفیسرز، ڈاکٹرز اور دانشور دیکھے ان سے بات چیت ہوئی ان کی تقریریں سنیں ،ان کی کتابیں پڑھیں مگر ان میں وہ بات نہیں جو ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کی باتوں ،تقریروں اور تحریروں میں ہے۔یہ صرف میرا ہی تاثر نہیں ہے بلکہ یہ ہر فرد کا تاثر ہے جس نے ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کو دیکھا،سنا،پڑھا ہوگا ۔میں نے خود جو دن ان کے ساتھ بسر کئے اور علمی و دینی کام کئے ان کی علمی معاونت سے ممکن ہوا اور مجھ سے زیادہ وقت ان کے قریب کسی نے نہ بسر کیا ہوگا اس دوران میں، میں نے ان سے بہت زیادہ سیکھا ہے اور وہ اب عملی زندگی میں کام آرہا ہے الحمد للہ ۔ ہمارے مذہبی رہنماؤں نے ان کو اپنے قریب آنے دیا اور نہ ان کے قریب گئے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان بزرگوں میں کسی علمی کام کرنے یا کروانے کی نہ ہی حیثیت تھی اور نہ ہی جذبہ۔کاش ہمارے بزرگان عظام اور علمائے کرام اس طرف توجہ دیں ۔اور اس طرح سنی عوام اور مذہب کو جو فائدہ اور استحکام ہوگا وہ تخیل سے بھی بلند ہے۔

یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب مرحوم کی انگریزی زبان میں کتاب

(THE REFORM POLICY OF IMAM AHMADRAZA)

کا اردو ترجمہ ہے جو کہ اس کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر اردو

دان طبقہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اردو دان لوگ اس کتاب کو پڑھ کر استفادہ کریں اور قوم وملت کے لئے کچھ کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔

قارئین سے عرض ہے کہ کتاب پڑھ کر اپنے خیالات سے آگاہ فرمائیں اور اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے کیا تجاویز ہیں اور عملی طور پر وہ کیا کرنا چاہتے ہیں پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون نے کوئی خاص نقطہ پیش کیا ہے اس مزید لکھنے کی ضرورت سمجھتے ہیں تو آج ہی ہم سے رابطہ کریں آپ کی رائے کے لئے ہم چشمِ براہ ہیں۔

محمد الیاس قادری

چھتروہی وکشمیری

عرض مترجم

قبول اسلام ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت زیادہ نہیں تو بیسیوں کتابیں ضرور دستیاب ہیں۔ ویسے تو ان صاحبان فطرت سلیم نے جو کچھ بھی لکھا بڑا پر وقعت اور ایمان پرور ہے۔ کیونکہ یہ تمام افراد بڑے لائق اور اپنے شعبے میں حرفِ آخر نہیں تو حرفِ معتبر ضرور ہیں۔ مگر پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب ان سب میں منفرد ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کا قبول اسلام فقط ان کی ذات کا معاملہ بن کر رہ گیا کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کیا اور خود مسلمان بن گئے یا پھر زیادہ سے زیادہ اپنے مسلمان ہونے کی وجوہات رقم فرمادیں۔ جب کہ پروفیسر محمد ڈاکٹر ہارون صاحب کا معاملہ ان سے بہت ہی مختلف ہے وہ محض مسلمان ہی نہیں بنے بلکہ وہ ایک طرف تو غیر مسلموں کو قبول اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو جو کہ عصر حاضر کی چکاچوند سے متاثر ہو کر اسلام سے کسی قدر اعتماد کھو چکے ہیں جو ان کے فکر وعمل میں وقار پیدا کرتا تھا۔ از سر نو خیالات مرتب کر کے صحیح سمت میں پیش قدمی پر اکساتے ہیں۔

دوسری خصوصیت جو انھیں ہم عصر نومسلم اسکالرز میں ممتاز بناتی ہے۔ ان کا زندگی اور زندگی سے براہ راست متعلق علوم جنھیں عرفِ عام میں معاشرتی علوم (Social Sciences) کہتے ہیں کا بھرپور مطالعہ کیا ہے۔ لہٰذا وہ جب بھی حیاتِ انسانی اور اس کے ارفع معیارات کا

مطالعہ عصری حقائق کے تناظر میں کرتے ہیں تو بقائے انسانیت کی واحد روشن دلیل اسلام قرار پاتا ہے۔یوں ان کے ہاں اسلام یا زندگی اور زندگی یا اسلام ،ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ٹھہرتے ہیں یا پھر ایک ہی چیز کے دو نام قرار پاتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ہارون صاحب کی تیسری خصوصیت جو انھیں اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام عطا کرتی ہے وہ ان کی قبل از قبول اسلام متحرک اور فعال زندگی ہے جو انھوں نے مغربی معاشرے کی سیاسی، سماجی،اور مذہبی جماعتوں میں گزاری ہے۔وہ ان جماعتوں میں شامل ہوکر ان کے ذریعے انسانیت کو مظالم سے نجات دلانے اور اس زمین کو حیات انسانی کے لیے ایک خوشگوار مقام میں بدلنے کا عزم رکھتے تھے۔اور اسی عزم نے انہیں یکے بعد دیگرے تقریباً تمام معروف مذہبی و سیاسی اور سماجی تنظیموں میں جھانکنے پر مجبور کیا مگر کہیں بھی وہ گوہر ہاتھ نہ آیا۔جس کی انھیں تلاش تھی بالآخر بھٹکتے بھٹکاتے اسلام کی دہلیز پر پہنچے اور اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد مسلمانوں کی زندگیوں کو دیکھا تو مغربی معاشرے کی سیونک زدہ کھوکھلی زندگی کے مقابلے میں مسلمانوں کی ناآسودہ اور محکومانہ زندگی کہیں بہتر پائی جس کا یقینی سبب وہ ادھورا اور نامکمل اسلام ہے جواسلامی معاشرے میں مسلمانوں میں رہ گیا ہے۔

اسی لیے پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسلام ہی واحد تحریک اور واحد مذہب ہے جو انسانیت کا طرفدار ہے اور جس میں داخل ہوکر انسان اپنی پسند کی انفرادی زندگی اس انداز سے بسر

کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جو حیاتِ اجتماعی یا معاشرتی حوالے سے بھی اتنی ہی مفید اور انسان نواز ہے جتنی کہ انفرادی حوالے سے۔ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو انسان کو بطور فرد ایسے مواقع مہیا کرتا ہے کہ وہ بطور فرد اپنی شخصیت کے تمام مخفی امکانات کو اجاگر کر کے اجتماع میں ایک منفرد زندگی اس انداز سے بسر کر سکے کہ معاشرتی زندگی اس کی معاشرے کی تیکھی نوکوں سے مجروح نہ ہو بلکہ اس کی شخصیت کے منفرد رنگ معاشرے کے دوسرے رنگوں سے مل کر ایسی قوسِ قزح مرتب کریں کہ دیکھتی آنکھیں پہروں محو تماشا رہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب کی یہ کتاب ایک ایسا شاہکار ہے اور ایسے افراد کے لیے دلیل راہ ہے جو یہ سمجھتے یا کہتے ہیں کہ اسلام ایک فرسودہ مذہب ہے جو عصرِ حاضر کے ابھرتے سوالوں سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ ڈاکٹر صاحب نے ذاتی تجربات اور عصری حقائق کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ہی واحد تحریک ہے جو عہد جدید کے تمام سوالوں کا عملی حل پیش کرتی ہے اور اس کے انسان نواز اصولوں میں اتنی سکت ہے کہ وہ ہر عہد کی انسانی زندگی کو ایک با مقصد اور ہر حوالے سے مفید زندگی میں بدل سکیں۔

پروفیسر محمد ڈاکٹر ہارون صاحب میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ بین الاقوامی امور کو سمجھتے تھے اور اس لحاظ سے بھی اس کتاب کا مطالعہ پڑھے لکھے اردو دان طبقہ کے لیے مفید ہو گا۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب متجسس ذہنوں کو ایمان افزا اعتماد اور

پر وقار وسعتِ نظر سے نوازے گی۔

برادر محمد الیاس کشمیری نے مجھے پروفیسر محمد ڈاکٹر ہارون صاحب کی کتاب دی اور ترجمہ کرنے کے لیے کہا۔ میں ان کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ مجھ کو اس اہم کتاب کا ترجمہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اور اس کا یہ اردو ترجمہ مقبولیت حاصل کرے گا۔

انشاء اللہ العزیز

غلام مرتضیٰ سعیدی

سابق مرکزی صدر

انجمن طلباء اسلام پاکستان

کلماتِ مرتب

آج مغرب میں جس طرح حکومت کی سرپرستی اور ٹیلیوژن ، اخبارات میں اسلام مخالف پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اسلام اور مسلمانوں کی جس طرح کردار کشی کی جا رہی ہے ۔ویسے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عام لوگوں کا رجحان اسلام دشمنی ہوتا ۔مگر جس طرح یہ ادارے پروپیگنڈہ کر کے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں ۔اس سے تیز رفتاری سے اسلام عام آدمی کو اپنی طرف راغب کرر ہا ہے۔دن بدن اسلام کی ترویج و ترقی تیز تر ہو رہی ہے۔

اس وقت صرف برطانیہ میں ایک ہزار سے زیادہ مساجد ہیں اور چالیس لاکھ سے اوپر مسلمان رہتے ہیں۔جن میں کوئی پچاس ہزار مسلمان انگریز نومسلم ہیں ان نومسلم انگریزی مسلمانوں میں ہر طبقہ خیال کے لوگ شامل ہیں ۔امیر وغریب ،تعلیم یافتہ وعام پڑھے لکھے ڈاکٹرز،پروفیسرز،ماہرین تعلیم ،سیاست دان ،دانشور اور محقق سبھی طرح کے لوگ شامل ہیں۔

ان دانشوروں اور محققین میں ڈاکٹر محمد ہارون بھی ہیں ۔جنھوں نے ۱۹۸۸ء میں اسلام قبول کیا اور یہ وہ کتاب ہے جس میں انھوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں۔

احقر کی ان سے پہلی ملاقات ان کے اسلام قبول کرنے کے کوئی ڈیرھ سال بعد ہوئی اور پھر یہ ملاقاتیں دوستی بعدہٗ برادرانہ تعلقات میں تبدیل ہوگئیں ۔پہلی مرتبہ جب احقر نے ان کو گھر کھانے پر بلایا تو احقر نے

فرمائش کی کہ آپ اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں کچھ لکھ دیں ہم اس کو شائع کریں گے۔ایک ہفتے کے اندر احقر کو ڈاکٹر صاحب کو فون کر کے بلایا اور کاغذوں کی ایک فائل آگے رکھ دی۔اور کہا کہ آپ کی فرمائش پوری کرتے ہوئے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے اور اب اگر آپ کی مرضی ہو تو شائع بھی کر دیں اور پھر ہم نے اس کو کتاب کی صورت میں شائع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔

یہ کتاب اسلام کو سمجھنے کے لیے اسلام کے متلاشی لوگوں کے لیے اسلام کا بہترین تعارف ہے اور وہ بھی ایک نومسلم کے قلم سے ،ہر پڑھنے والا نومسلم مسلمان اور غیر مسلم کوئی بھی اس کتاب کو پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ نوجوان جو مغرب کی چکا چوند میں اپنے آپ کو ایک طرح سے بے آسرا محسوس کرتے تھے اس کتاب کی صورت میں ان کو ایک بہترین آسرا مل گیا ہے۔

آج کے دور میں سب سے زیادہ جو چیز متاثر کرتی ہے وہ کوئی ڈاکٹر، پروفیسر یا اسی طرح کا پڑھا لکھا شخص کوئی بات کہتا ہے تو وہ اثر رکھتی ہے ۔پھر کیمبرج جیسی یونیورسٹی کا کوئی فاضل کوئی بات کرے تو پھر کون اس کو جھٹلا سکتا ہے ۔

ڈاکٹر محمد ہارون کیمبرج یونیورسٹی کے ایم اے، پی ایچ ڈی ہیں ۔اسی یونیورسٹی میں پڑھایا بھی ہے۔

اس وقت ڈاکٹر محمد ہارون رضا اکیڈمی ،برطانیہ کے ڈائریکٹر بھی رہے اور دو درجن کتابوں سے زیادہ کتابیں بھی لکھی ہیں ۔اور ان کتابوں

کے تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں ۔سینکڑوں مقالات اسلام پر لکھے ہیں ۔ باشرع ، باعمل بھی ہیں ۔اور صوفی بھی اور عاشقِ رسول بھی ہیں۔

محمد الیاس قادری کشمیری (برطانیہ)

تعارف

میں نے ۲۰ جون ۱۹۸۸ء کو اسلام قبول کیا اور اس وقت میری عمر ۴۴ سال تھی میں نے لیورپول میں انگریز اور ولندیزی والدین کے یہاں ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوا جیسا کہ میں عرض کرنے والا ہوں کہ کئی سال پہلے میں نے اسلام قبول کرنے کے بارے میں سوچا تھا لیکن ۱۹۸۸ء کو میں نے ایک مسلم صوفی گروپ سے رابطہ قائم کیا ،اور درحقیقت انھوں نے ہی چند فیصلہ کن مرحلے میں مدد دی ۔میں نے اسلام قبول کرنے کے آخری مرحلے کو آسان نہیں پایا۔میں نے چند برس قبل ایک مسجد سے رابطہ کیا ۔لیکن وہاں کوئی ذاتی دوست نہ ہونے کی وجہ سے دہلیز سے آگے نہ جا سکا۔جیسا کہ آپ میری عمر سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کی طرف میرا سفر براہ راست اور فوری نہیں تھا بچپن میں میری تربیت عیسائیت میں ہوئی جس کا اصل عیسائیت سے اتنا ہی تعلق تھا جتنا کہ فاسٹ فوڈ کا معمولی غذا سے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں کیتھولک ازم سے (جبکہ لیورپول سخت کیتھولک دشمن تھا) میں دلچسپی رکھتا تھا۔لیکن میں نے اسے اس لیے مسترد کر دیا کہ وہ غریبوں کی مدد اور دنیا کو بہتر مقام میں بدلنے کے حوالے سے غیر متوازن رویہ تھا۔تب میں اشتراکیت اور لیبر پارٹی سے وابستہ ہوا یہاں تک کہ مجھے احساس ہوگیا کہ ان کے پاس بھی غریبوں کی مدد اور دنیا کو ایک بہتر مقام میں بدلنے کے حوالے سے غیر متوازن رویہ رکھتا تھا۔اب میں مارکسیت میں بالخصوص دلچسپی

لینے لگا۔لیکن میں نے کبھی کوئی ایسی مارکسی تنظیم یا گروہ نہیں پایا جو غریبوں یا دنیا کے حوالے سے کوئی قدر و قیمت رکھتا ہو۔

جیسا کہ اس مختصر بیان میں سے ظاہر ہے کہ عمر بھر میری وابستگی غریب اور پسے ہوئے افراد سے ہی رہی ہے اور دنیا و معاشرے کو شفقت اور شرم وحیا قائم رکھتے ہوئے بدلنا میرا ہدف رہا ہے۔جہاں نسل انسانی پھل پھول سکے اور اس کے رہنے والے خوش کن ،باحیا اور مہربان لوگ بن سکیں،میرا کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو بتاؤں میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ میری ساری تحریر سمجھنے کے لیے اس بنیادی وابستگی کو ایک کلید کے طور پر ضرور ذہن میں رکھیے۔

میں ۱۹۶۳ء میں تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لیے کیمبرج یونیورسٹی گیا اور ۱۹۶۹ء تک وہاں مقیم رہا۔جب میں وہاں ٹھہرا ہوا تھا تو صحیح بات یہ ہے اسلام نے کبھی میرے ذہن کو نہیں چھوا۔میں نے یورپ وسطیٰ کے نصاب تاریخ کے حوالے سے تقریباً ایک ہفتہ اسلام کے عہدِ عروج کا مطالعہ کیا۔اور اس میں میں جو چیز نہ بھول پایا وہ رسول اللہ ﷺ کی غریبوں کے ساتھ وابستگی ہے میں چند مسلمان افراد سے ملا ،اور میں نے عید کا ذکر سنا۔لیکن میری لیبر پارٹی کی اصلاح پسندی میرے اور ان کے درمیان حائل ہوگئی۔کیونکہ ان دنوں عظیم الشان لیبر پارٹی ،ایمیگریشن لاء (قانون ہجرت) منظور کروا رہی تھی اور صیہونیت کی حامی تھی۔لیکن میں کبھی بھی اسلام مخالف نہیں رہا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے مکمل طور پر ناواقف تھا۔میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ لیبر پارٹی کس قدر نسل پرست ہے اور یہ سوچتا تھا کہ زین ازم کا

مقصد یہودیوں کو ہٹلر سے محفوظ رکھنا ہے۔

۱۹۷۰ء میں میں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق تھوڑا سا پڑھا لیکن مجھے خاص طور پر احساس ہوا کہ میں کس طرح لیبر پارٹی اور صیہونیت کے فریب میں رہا ہوں۔ یہ تیل کے بحران کا دور تھا اور تیل سے مالا مال حکومتوں کو خوش کرنے کے لیے برطانوی پریس نے اس بات کا اعتراف کرنا شروع کیا تھا کہ فلسطینی درحقیقت غریب اور پسے ہوئے لوگ ہیں یہ ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۷ء وغیرہ کے واقعات کے حوالے سے ایسا سچ تھا جس نے مجھے خوفناک حد تک جھنجوڑا۔ یہ ایسا دور تھا کہ جس میں لیبر پارٹی کا کھوکھلا پن مکمل طور پر ظاہر ہو چکا تھا۔ ۱۹۶۴ء کو میں نے واقعی یہ بات سوچ تھی کہ معاشرہ بدلا جا سکتا ہے ۱۹۷۴ء تک مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ سوچنا انتہائی مضحکہ خیز ہو گا کہ اس وقت کے برطانیہ کے وزیر اعظم ہارڈ ولسن غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرے گا۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں میں نے ان لوگوں کو مارکس ازم کے مقابلے میں مسترد کر دیا۔ میں نے مارکسی نظریے اور فلسفے کا مطالعہ کیا لیکن مارکس کی سرگرمیوں کا واحد عنصر جو مجھے دلکش لگا نسل پرستی کے خلاف کام تھا۔ اس سے خاص طور پر مراد نسل پرستی اور ترک وطن کے خلاف مظاہرے ہیں۔ اور ایک مرحلے پر تو میں ہفتے میں اس نوعیت کی کم از کم ایک تقریب میں تو ضرور شریک ہوتا تھا۔ بہت سے ترک وطن کرنے والے مسلمان تھے اور میں نے ان گروہوں کے ساتھ رابطہ کرنا شروع کیا۔ مجھے مسلمانوں کی کچھ خاص تقاریب میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی اور ایک علم دوست

آدمی ہونے کے باعث مجھے لیکچر دینے کے لیے بھی کہا گیا۔لہذا میں نے ڈاکٹر اقبالؒ، جناح اور تاریخِ پاکستان پر گفتگو کی۔

مارکس ازم بھی جسے میں پسند کرتا تھا بڑی شدت سے تیسری دنیا کا مرکز بنا ہوا تھا اس لیے میں نے اپنی علمی توجہ مسلم دنیا کے قریب تر کی۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۰ء میں، میں نے یونیورسٹی میں مسلم دنیا پر لیکچر دینے شروع کیے مسلمانوں کی ان تقاریب میں میں نے تلاوتِ قرآن پاک سنی۔چند کتابچے خریدے اور بہت سارے لوگوں سے تبادلہ خیال کیا۔ مجھے شادیوں پر دعوت دی جاتی اور گھروں میں بلایا جاتا۔یہ اسلام کے اٹھاؤ اور مارکسیت کے زوال کا زمانہ ہی تھا۔۱۹۸۰ء سے میں سنجیدگی سے اسلام میں دلچسپی لے رہا تھا تب ۱۹۸۸ء میں میری ملاقات دارالاحسان والوں سے ہوئی اور میں نے فیصلہ کن قدم اٹھایا۔بلاشبہ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں کہ میں اس راستے سے ہوتا ہوا اسلام تک کیوں پہنچا۔ان میں کچھ وجوہات بڑی اہم ہیں اور کچھ معمولی اور اتفاق (جسے تھامس ہابز خدا کا پوشیدہ ہاتھ قرار دیتا ہے) نے بھی کردار ادا کیا۔اس کتاب کے بقیہ حصے میں کچھ وجوہات کی نشان دہی کروں گا جو کہ خاص طور پر اہم اور کلیدی نوعیت کی ہیں۔

ذاتی وجوہات

میرے مسلمان ہونے کی پہلی وجہ ذاتی نوعیت کی ہے ۔میں کئی سالوں سے کیمبرج،لندن لیورپول،مانچسٹر اور کئی دوسرے مقامات کے مسلمانوں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں کچھ دوسرے لوگوں سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں بی اے،اور پھر ایم اے کا طالبعلم تھا ،کچھ سے میں اپنی سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے ملا۔اور کچھ سے سرِ راہ ملنا ہوا۔ان میں سے اکثریت پاکستانیوں کی تھی ۔لیکن کچھ عرب اور ایرانی بھی تھے جبکہ چند ایک کا تعلق افریقہ سے بھی تھا۔کچھ طالب علم تھے کچھ بطور بیرہ کام کرتے تھے اور ساتھ تعلیم بھی جاری رکھے ہوئے تھے ،کچھ مزدور تھے ،کچھ چھوٹے تاجر ، کچھ اخبار فروش، پرچون فروش اور کچھ پیشہ ور لوگ جیسے ڈاکٹر یا پھر نئی بستیوں کی تعمیراتی منصوبہ بندی کے ماہر۔جب میں نے سنجیدگی سے مسلمان ہونے کا سوچا تو میں تھوڑے وقت میں بہت سارے لوگوں سے ملا۔مسلمان ہوتے ہی میں نے مسلم معاشرے میں بودوباش اختیار کی ۔

شروع سے لے کر اب تک جتنے بھی مسلمانوں سے ملا ہوں ۔میں ان سے بہت متاثر ہوا ہوں اس امر نے میرے اسلام قبول کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے ۔کیونکہ کوئی بھی ایسا شخص جو کسی بھی نظریے پر اعتقاد رکھتا ہو اپنے نظریے کا سفیر ہوتا ہے اور میں نے محسوس کیا ہے کہ مسلمان اس کے بہترین سفیر ہیں ،ہوسکتا ہے میری یہ رائے مسلمانوں کو کچھ عجیب لگے

لیکن میں سمجھتا ہوں جن مسلم اور غیر مسلم افراد سے میں عمر بھر سے آشنا ہوں ان میں بہت بڑا شخصی تضاد ہے اولاً تو میں جن حضرات سے ملا وہ بڑے ہی مخلص اور اسلام پر پختہ یقین رکھنے والے تھے۔اگر آپ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا چاہتے ہیں اور اس کی عبادت کے متمنی ہیں تو آپ یہ کام ان لوگوں کی مجلس میں بہتر طور پر سرانجام دے سکتے ہیں جو خود صاحب ایمان ہیں۔ اگر آپ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو وہاں ایسے افراد کی کمی نہیں ہوگی جن سے آپ مل سکتے ہیں اور جنھیں آپ اپنے ایمان میں حصہ دار بنا سکتے ہیں۔میرے محسوسات یہ ہیں کہ ایک مسجد کے اندر ایک سو افراد مشغول عبادت ہیں تو ان میں سے پچانوے افراد کو قطعی یقین ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور ان میں سے پانچ افراد ایسے ہیں جو قدرے کم یقین رکھتے ہیں۔

یہ عیسائیت کے حوالے سے میرے تجربے کے بالکل برعکس تھا جو کچھ میں نے دیکھا وہ یہ ہے کہ چند افراد چرچ جاتے ہیں اور ان افراد کی اکثریت اس پر یقین نہیں رکھتی تھی وہ جو سنتے یا کرتے تھے۔لوگ سماجی رسم کے طور پر چرچ جاتے یا دکھلاوے کے لیے یا پھر گپ شپ کرنے اور اس سے بھی بڑی چیز کہ وہ کاروبار کے لیے جاتے یا اپنے آجر کو خوش کرنے کے لیے جو دنیاوی معاملات سے باخبر ہوں ۔ عیسائیت کے تمام مواد کی تشریح کردی گئی ہے ڈرہم شہر کے بشپ اور موجودہ ماہرین دینیات کے مطابق عقیدہ انکارِ خدا عیسائیت سے مکمل مطابقت رکھتا ہے قیامت صرف ہڈیوں کا مداری تماشہ ہے ۔سکول میں مذہب کی تعلیم دینے والے ترقی پسند قسم کے استادوں کے ہاں جناب مسیح کے معجزات کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔یورپ

میں مذہبی عقیدہ مردہ ہو چکا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ایک انسان پرستانہ وابستگی ہے جس کے مطابق خدا محض نوع انسانی کی تجریدی صورت ہے۔ وہ برملا کہتے ہیں کہ ہم انسان کو اور انسانی قدروں کو پوجتے ہیں یا کچھ ایسے ہی۔ یہ محض مبہم آزاد پسندی اور بے ایمانی پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب نشریاتی ادارے جناب مسیح علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں اور ایسی فلمیں دکھاتے ہیں جن میں انہیں بے حیائی کے کاموں میں مصروف دکھایا جاتا ہے۔ تو عیسائی کچھ نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر مذہب غریب اور مظلوم عوام کی مدد کر سکتا ہے تو میں اخلاص سے ایمان لانا چاہتا ہوں۔ اور ایسے لوگوں میں رہنا چاہتا ہوں جو پختہ ایمان والے ہوں۔ موجودہ عیسائیت کسی بھی فرد کی مدد نہیں کر سکتی غربت کے خلاف ان الحاد پسند بشپ حضرات کا واویلا کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ مزید برآں یہ الحاد پسند مکار لوگ جو اس احتجاج کے مخاطب ہیں وہ انسان پرستانہ اقدار پر مشتمل اخلاق سازی کی انتہائی معمولی نصیحتوں کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور انسان پرستانہ اقدار اس قدر لچکدار نظر آتی ہیں کہ اسقاط حمل اور اس جیسے دوسرے عصری رویے بھی ان میں دائیں بازو کے بشپ ہر نئی سوچ کے پیچھے دوڑتے ہیں (میں دائیں بازو کے بشپ حضرات کا تذکرہ آگے چل کر کروں گا) لیکن مسلمان واقعی کھرا ایمان رکھتے ہیں اگر کوئی شخص ان کے رسول ﷺ کی اہانت کرتا ہے، تمام مسلم ممالک میں موجودہ حکومتیں توہین آمیز سرگرمیوں کے اعلان پر مذہبی طبقوں کی طرف سے خوف کا شکار ہوتی ہیں اور کھل کر تنقید کو روکنے کے لیے ہر ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں۔

ایک انگریز بشپ کی کون سنتا ہے؟ مسلمان دوستوں میں موجود اس گہرے اخلاص نے مجھے بہت متاثر کیا۔اسلام ان کی زندگیوں میں حقیقی طور پر موجود ہے۔اور وہ اس کی اطاعت اور اس پر کار بند رہنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

ثانیاً میں ہمیشہ حیران تھا کہ مسلمان جنہیں میں جانتا تھا کتنے اچھے ہیں؟ اسلام ان کی عمدہ قسم کی شخصی خصوصیات سے مطابقت رکھتا ہے۔وہ کتنے فیاض تھے؟ وہ کتنے ہمدرد تھے؟ وہ کتنے شفیق تھے؟ انگریز معاشرے میں میں ذاتی طور پر جمع تفریق کا عادی تھا۔وہاں لوگ فراخ دل نہیں تھے وہ کوئی چیز نہیں دیتے تھے وہ شراب کا ایک دور خریدتے اور پھر وہاں اس وقت تک انتظار میں بیٹھے رہتے کہ دوسرے تمام لوگ باری باری شراب خریدیں اور بدلے میں انہیں پلائیں۔لوگ دوستی خریدتے اور بیچتے تھے۔اگر آپ ان سے ملنے جاتے ہیں تو آپ کو کسی چیز کی پیشکش نہیں ہوگی یا پھر ایک گھنٹہ کے بعدایک بسکٹ اور ایک کپ چائے دیا جائے گا اگر آپ کسی عوامی تقریب میں شریک ہوتے ہیں تو آپ کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملے گا اور اگر مل جاتا ہے تو اس ادنیٰ درجے کے کھانے پر جو کہ بھونڈے طریقے سے پیش کیا جائے گا آپ سے بھاری رقم وصول کی جائے گی آپ ایک عیسائی چرچ میں پورا سال جاتے ہیں مگر آپ کو کچھ نہیں دیا جاتا سوائے کرسمس والے دن کہ اس دن ایک پیسٹری اور ایک گلاس گھٹیا شراب دی جاتی ہے۔

جس ماحول کا میں عادی تھا وہاں ایک جنگ تھی ،سب کی جنگ اور سب کیخلاف، پھر میں مسلمانوں کی تقاریب میں گیا وہاں اعلیٰ معیار اور

معقول مقدار میں کھانا مفت فراہم کیا جاتا تھا ۔ مسجد میں ہفتے میں کئی بار خود بخود ہی کھانا دیا جاتا ہے لوگ مہربان خلیق اور ہمدرد دکھائی دیتے ہیں۔وہاں ایک والہانہ ماحول ہوتا ہے جو کہ انگریزی تقریبات کی سرد دشمنی سے کہیں زیادہ مختلف ہوتا ہے طبیعت پرسکون ہوتی ہے اوریوں محسوس ہوتا کہ گویا گھر پر ہوں میں اب بھی دیکھتا ہوں کہ انگریز ایک دوسرے کی مجلسوں کے پرسکون ماحول میں بھی بڑے بدسلیقہ اور پریشان نظر آتے ہیں۔اس کے برعکس مسلمانوں کا رویہ دوستانہ ہے ۔ وہ ایک دوسرے سے خیر وعافیت پوچھتے ہیں ۔اچانک سکوت ٹوٹا اور وہاں ہر طرف ایک مسکراہٹ تھی اور ہر شخص کے اطوار بڑے اچھے ہوتے ہیں ۔سب سے بڑھ کر یہ کہ میں دوبارہ بچوں کو پسند کرنے لگا جارج اردل اپنے ناول ''انیس سو چوراسی''میں بہت ساری پیش گوئیاں کرتا ہے ۔ان میں سے ایک جسے میں سچ خیال کرتا تھا یہ تھی کہ ۱۹۸۴ء تک کوئی بھی شخص بچوں کو زیادہ عزیز نہیں رکھے گا اور میں لیور پول کے بچوں سے کتنی نفرت کرتا تھا وہ منہ پھٹ،عیار،غیر مہذب اور احمق تھے،میں بچوں کو ایک جھلک دیکھ کر سہم جاتا تھا ۔میں اسکول کے چھٹی کے دن کس قدر خوفزدہ تھا کیونکہ اس دن یہ چھوٹے بچے پورا دن شہر کے محلوں کے گرد منڈلاتے رہتے تھے۔

جب میں مسلمان خاندانوں سے ملا تو ان کے بچے بڑے ہی دل موہ لینے والے تھے۔انھوں نے مجھے بہت پہلے کے بچوں کی یاد تازہ کرا دی ۔ یعنی بچوں کی جدید طرزِ تعلیم اور جدید طرزِ نگہداشت سے پہلے کے زمانے کے بچوں کی۔آپ ان سے واقعی بغیر کسی گستاخانہ جواب کے خوف سے بات کر

سکتے ہیں ان کے ننھے منے سر خوبصورت بچگانہ خیالات سے بھرے ہوئے ہیں کہ ان عجیب وغریب ، بیہودہ اور ذہنی طور پر الجھے ہوئے بچوں کی طرح جنہیں میں ملا تھا مسلمانوں کے بچے ہشاش بشاش نظر آتے تھے اور وہ تھے بھی خوش ۔وہ ان بے قابو ننھے منے وحشیوں سے کہ جنہیں میں جانتا تھا کس قدر مختلف تھے۔

بہت سارے سفید فام کسی بھی اسکول میں مسلمان بچوں کی تعداد زیادہ ہونے پر اعتراض کرتے تھے۔مسلمان بچوں سے متعارف ہونے کے بعد میں نے کبھی اعتراض نہیں کیا ۔وہ سکول کا قیمتی اثاثہ ہیں ۔بہت نفیس، بہت پڑھنے والے ،اور بڑے مہذب۔میں مسلمانوں کے گھروں میں گیا ،وہاں عمدہ قسم کا گھریلو ماحول تھا ،گھر صاف ستھرے تھے اور والدین اکٹھے کام کر رہے تھے۔اس چیز نے مجھے بہت پرانے زمانے کی یاد دلائی۔وہاں اپنے اپنے وظائف کے حوالے سے کوئی ابہام نہ تھا اور نہ ہی نوک جھونک اور ازدواجی زندگی کے خاتمے جیسی چیزیں ۔والدین اور بچے ایک دوسرے کی عزت کرتے دکھائی دیتے تھے۔یہ انگریز معاشرے کے ان گندے گھروں اور منتشر خاندانوں سے کس قدر مختلف تھے !وہاں نہ تو اقدار بے یقینی کا شکار تھیں اور نہ ہی بچے اخلاق باختہ اور مرجھائے ہوئے تھے۔میرے نزدیک اسلام کا سب سے بہتر گروہ عام مسلمان ہیں۔یعنی مسلمان عوام ۔وہ اسلام سے متعلق بحیثیتِ دین اور فلسفہ کے بہت کم جانتے ہیں اور ان کی بہت سی چیزیں اسلام سے مطابقت نہیں رکھتیں لیکن وہ ایک قابلِ شناخت اسلامی زندگی گزارتے ہیں ۔جس کا سبب ان کا اسلام پر پختہ

یقین ہے اور وہ اس خودغرض اور بے حس معاشرے کے صحرا میں جنت کی مانند ہیں۔

بلا شبہ یہاں ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں جن سے احمقانہ حرکات سرزد ہوتی ہیں میرے حافظے میں کئی ایسے لمحات محفوظ ہیں جب مسلمان بد تمیز اور قابلِ گرفت تھے لیکن میں ان لمحات کو بھلا دینا چاہوں گا مگر جس چیز نے مجھے حیران کیا وہ ان کا مجھ سے معذرت کرنا تھا اور معذرت بھی مجھ سے فوراً کی گئی ۔انگریز لوگ کسی سے معذرت کرنا کمزوری کی ایک ناقابلِ معافی علامت تصور کرتے ہیں میں اب تک کچھ لوگوں کا انتظار کر رہا ہوں کہ وہ مجھ سے کی گئی زیادتیوں پر معذرت خواہ ہوں جو انہوں نے بیس برس پہلے کیں تھیں لیکن ان مسلمانوں نے واقعی مجھ سے معذرت کی اور میں یقین نہیں کرسکتا کہ جب میں نے اسلام میں دلچسپی لینا شروع کی تو ان کا رویہ کتنا دوستانہ تھا میں سفید فام ہوں اور وہ تقریباً سب سیاہ فام ہیں اور انہیں صدیوں سے سفید فام لوگوں کی طرف سے تلخ تجربات کا سامنا ہے لیکن پھر بھی بغیر کسی جھجک کے خوش آمدید کہا گیا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ میں ایک صاحبِ علم آدمی ہوں تو وہ مجھ سے اسلام کے حوالے سے گفتگو کرانے میں سنجیدہ ہوگئے ۔مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر کوئی سیاہ فام عیسائیت میں داخل ہوتا ،وہ سفید فاموں کے کسی چرچ تک رسائی حاصل کرتا اور عیسائیت کے کسی تہوار پر لیکچر دینے کی پیشکش کرتا تو کیا ہوتا۔ اور ایک عمدہ بات جو مسلمانوں نے کہی وہ یہ تھی کہ اب آپ مسلمان ہو گئے ہیں ۔لہٰذا آپ کے تمام گناہ معاف کردیے گئے ہیں اور بحیثیت نومسلم کے آپ ہم سے

بہتر ہیں ۔تمھاری نمازیں ہم سے دوگنا بہتر ہیں واقعی اچھے لوگ ہی ایسی بات کرسکتے ہیں ۔وہ دیانت دار، وعدوں کا پاس کرنے والے لوگ تھے اور جس چیز سے میں بہت متاثر تھا کیونکہ جس معاشرے سے میں آیا تھا وہاں الفاظ کی کوئی اہمیت نہ تھی اور وہ ایک فضول چیز تصور کیے جاتے تھے۔

ثالثاً جس چیز نے بہت زیادہ متاثر کیا وہ ان کا بے حد خوش ہونا تھا۔ اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ عقائد کا کونسا نظام اپنے ماننے والوں کو سب سے زیادہ خوش کرتا ہے تو اسلام سب سے اوپر ہوگا ۔میں انگریز معاشرے سے آیا ہوں اور اس معاشرے کی شدید سوگواری نے ہمیشہ مجھے متاثر کیا ہے ۔لوگ بہت زیادہ غم زدہ اور مصائب کا شکار رہیں۔وہ زندگی کی بے مقصدیت کے چبھتے ہوئے احساس کے باعث اذیت میں ہیں ۔ میرے خیال میں اس کی وجہ خود غرضی اور تنہائی ہے جو یہ سب کچھ پیدا کرتی ہے۔نیز زیادہ سے زیادہ مادی اشیاء پر تصرف کی کوشش زندگی کی بے مقصدیت اور کھوکھلے پن کے احساس کو مزید کرتی ہے۔مادی اشیاء سے حقیقی مسرت صرف اسی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس میں حصہ دار بنایا جائے اور یہ اشیاء دوسرے لوگوں کو بھی دی جائیں بلکہ سب سے اعلیٰ چیز تو یہ ہے کہ انھیں انسانوں کے مقابلے میں تولا ہی نہ جائے۔انگریز ان میں سے کوئی بھی نہیں کرتے ۔ جن مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی ہے وہ واقعی مادی اشیاء اور اچھی غذا سے لطف اندوز ہورہے ہیں ۔سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ وہ اچھے ذائقے کے حوالے سے بھی میانہ روی کے اصول پر کاربند ہیں ان کے ہاں شراب نوشی اور شکم پری

کی محافل نہیں ہوتیں ۔اسلام کہتا ہے کہ تمہیں اپنی دولت اور کامیابی کی نمائش اس طرح نہیں کرنی چاہیے کہ جس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہونے کا امکان ہو ۔میری کبھی کسی ایسے مسلمان سے ملاقات نہیں ہوئی جو تنہائی کا شکار رہو ۔ان کے بڑے بڑے خاندان ہیں اور انگریز معاشرے کے زیر اثر ہونے کے باوصف ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں ۔ مسجد ایک ایسا مقام ہے جہاں ہمہ وقت احباب میسر ہیں ۔اگر صرف نماز ہی کے اوقات کو لیں تو ایک دن میں پانچ مرتبہ اور پھر ہر نماز کا اختتام حاضرین کا آپس میں مصافحہ کرنے اور صاحب سلامت کہنے پر ہوتا ہے ۔میں کئی ایسے انگریزوں کو جانتا ہوں جن کا کوئی خاندان یا دوست نہیں ، کسی پبلک لائبریری کے اسسٹنٹ کی طرح چند لوگوں سے جان پہچان ہے اور چند لوگوں سے باقاعدہ ملاقات ظاہر ہے اس سب کچھ کا نتیجہ آدم بیزاری ہے۔

مسلمان معاشرے میں ذہنی بیماریوں کی شرح کم ہے ۔جس کا سبب شراب نوشی سے پرہیز ہے ۔مسلمان قانون کے احترام کے حوالے سے بہت مشہور ہیں ۔ میرے خیال میں اس کا سرچشمہ شدید بے سکونی کی عدم موجودگی ہے جو کہ غیر مسلم معاشرے میں پائی جاتی ہے۔اس مصیبت کا سب سے بڑا سبب موت کا خوف،اور زندگی کی بے مقصدیت کا عیاں ہونا ہے جس کا نتیجہ زندگی کا بے سروسامانی کی حالت میں موت ہے۔موت کے خوف نے جدید امریکہ کو باوجود وہاں کی تجہیز وتکفین کی رسومات اور دائمی زندگی کے حصول کے لیے جادو اثر دواؤں کی تلاش کے ،جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔مسلمانوں میں میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو موت کے مسئلے پر

کسی پریشانی کا شکار ہو حالانکہ یہ چیز غیر مسلم معاشرے میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔

انگریز معاشرے کی ایک خرابی یہ ہے کہ مذہب وہاں جس انداز میں موجود ہے وہ لوگوں کو مزید غمزدہ کرتا ہے۔عیسائیت کے متعلق میری یادداشت میں کئی ایسے لوگ شامل ہیں جو غم کے باعث پاگل یا پھر دوزخ کی آگ کے ڈر سے نیم پاگل ہو گئے ہیں۔اسلام میں یہ چیز مفقود نظر آتی ہے۔حالانکہ یوم حساب مسلمانوں کے ہاں ایک اٹل حقیقت ہے میرے خیال کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا تصور عذاب خداوندی عقلی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔اگر آپ نیک اعمال کرتے ہیں تو آپ جنت میں جائیں گے خدا مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔اسلام کا عقیدہ ہے کہ بہت سارے لوگ باالآخر جنت میں جائیں گے۔ہو سکتا ہے کچھ لوگ تھوڑی مدت کے لیے جہنم میں جائیں۔مسلمان موت کے وقت پرامید ہوتا ہے۔ عیسائیت میں جہنم کی آگ انسان کو پاگل پن کی طرف دھکیلتی ہے جان کلیون کے پیروکار جہنم کی آگ کو خدائی فیصلے کے طور پر لیتے ہیں اور کسی بھی صورت میں نیک یا بداعمال کے ارتکاب کا سبب نہیں سمجھتے۔بہت سارے عیسائی سمجھتے ہیں کہ جنت میں چند منتخب افراد کا چھوٹا سا گروہ جائے گا اور جہنم دائمی ہے ان کے نزدیک خدا برطانیہ کے سب سے احمق مجسٹریٹ سے بھی زیادہ غیر منصف ہے۔لیکن اسلام کہتا ہے کہ خدا کسی بھی انسان سے کہیں زیادہ انصاف پسند ہے۔میں خدا کو خود سے بھی زیادہ کم انصاف پسند ظاہر کرنے والے عقیدے کو تسلیم نہیں کرسکتا۔اسلام کے مطابق خدا تعالیٰ

کے ہاں تمھارے نیک اعمال کے قطع نظر اس کے کہ وہ کتنے ہلکے ہیں تمھارے اعمالِ بد سے روشن ہیں خواہ وہ کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لیے تخلیق فرمایا ہے کہ وہ کائنات میں اس کا خلیفہ بنے کسی بھی مرد یا عورت کو بے سود پیدا نہیں فرماتا۔ میرے نزدیک عیسائیت کی تمام اقسام اپنانے کے لائق نہیں ہیں۔ کیتھولک اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ گناہوں کی گرفت میں ہیں اور میں نے عیسائی چرچوں میں عام طور سے جوش سے خالی ماحول پایا ہے۔ لیکن اسلام میں صاحب ایمان لوگوں کا جوش خروش بڑا شاندار ہوتا ہے۔ وہ نماز سے بہت زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں اور میں حیران تھا کہ وہ روزے اور حج سے کس قدر محظوظ ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کو یاد کی مجالس، محافلِ ذکر کہلاتی ہیں۔ اور یہ صاحب ایمان لوگوں کی ہفتہ بھر کی مصروفیات کی جھلکیاں ہیں میرے نزدیک یہ خوشی بہت اہم ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اسلام میں ہی خوشی پا سکتا ہوں اور ایسی خوشی جو اصلی اور حقیقی ہے میں جب بھی یہ حمد سنتا ''مسیح کی صورت میں ہمارے پاس کیسا اچھا دوست ہے' اور'' خوشی کا دن'' تو ہمیشہ مجھے گانے والوں کے انداز سے ایسا لگتا کہ اگر تمھارا دوست صرف مسیح ہے تو تم کبھی بھی لمحہ بھر خوشی نہیں پا سکتے اور جب مسیح کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہ ہی تم سے بات کرے گا اور نہ ہی محبت۔

ایک چیز جسے عیسائیت میں مجھے بہت مایوس کیا وہ طبقہ پسندی اور طبقاتی خود نمائی ہے۔ بشپ اور پادری نوع انسانی یعنی عیسائی عام لوگوں سے برتر ہیں۔ چرچ میں عام طور پر اعلیٰ طبقے کے افراد کا ایک مختصر

گروہ جاتا ہے جو غریبوں میں احساس کمتری پیدا کر کے ہر چیز پر قبضہ کر لیتا ہے۔ کیمرج میں عیسائیوں کی طبقاتی خودنمائی اور طبقہ پرستی نے مجھے مکمل طور پر باغی بنا دیا۔ عیسائی تمام اچھے عہدوں پر قبضہ کرنے اور غیر عیسائی لوگوں پر ظلم کرنے کے بڑے شوقین دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار جنھوں نے غریبوں سے محبت کی، وہ تمام پبلک اسکولوں کے کاسۂ گدائی والے لڑکے تھے۔ وہاں عام کارکن اور گھروں میں کام کرنے والی خاتون کی کھلے عام توہین کی جاتی ہے اور مذاق اڑایا جاتا ہے اس طرح انگریز حکمران طبقے نے بھی مظلوم کا مذاق بنا دیا ہے۔ اسلام میں خوشی کا ایک سبب جمہوریت ہے۔ یہاں کوئی راہب نہیں ہاں! صاحب علم لوگ ہیں یہاں کوئی طبقہ پرستی نہیں۔ یہاں اعلیٰ افسروں اور ان کی بیویوں کے لیے کوئی مخصوص نشست نہیں بلکہ وہاں کوئی مخصوص نشست ہے ہی نہیں۔ مسجد میں تمام لوگ فرش پر بیٹھتے ہیں۔ اسلام میں ہر طرح کی خودنمائی ممنوع ہے۔ جب میں مسجدِ نبوی میں ہوں تو عرب کے شہنشاہ کے برابر ہوں۔ اسلام میں نہ کوئی پوپ ہے اور نہ کوئی سرکاری چرچ اور اس جمہوریت کے صاحب ایمان افراد پر اثرات بھی ہیں۔ مسجد میں کسی شخص کی کوئی اجارہ داری نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک حقیر سا آدمی بڑی بے باکی سے اعتراض کرتا ہے یا پھر کسی بڑے شخص پر گرفت کرتا ہے۔ اسلام میں خوشی کا ایک اور سبب لوگوں کو فطری جذبات کی حامل گرم جوشی ہے۔ انگریزوں کو حکمران طبقے نے بے حیا، پریشاں خیال، پرسکون ماحول میں بھی ناخوش اور احساس کمتری کا مارا ہوا انسان بنا دیا ہے۔ امریکی

کافی حد تک اجنبی لوگوں کے ساتھ پرسکون اور دوستانہ ماحول میں رہتے ہیں لیکن اہل اسلام میں سے آپ جب بھی کسی سے ملیں گے تو وہ بالکل فطری انداز میں خیر مقدمی کلمات کہتے ہوئے مصافحہ کرتا نظر آئے گا ۔مسلمان بالکل تکلف نہیں کرتے بلکہ وہ گھر ایسے پرسکون دکھائی دیتے اور محسوس ہوتے ہیں۔

یہ دنیا ایک گھر ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے بنایا ہے ۔ہمیں اسے گھر جیسا اور پرسکون کیوں محسوس نہیں کرنا چاہیے؟ ساتھ ہی مسلمانوں کے اچھے اطوار انھیں گستاخ اور بدتمیز بننے سے باز رکھتے ہیں ۔جن انگریزوں سے میری ملاقات رہی ہے وہ یا تو باغیانہ ذہنیت رکھتے ہیں یا پھر گستاخ ہیں ۔وہ کبھی بھی دوسرے انسان کے ساتھ برابری کی سطح پر فکری قسم کا مساویانہ سلوک نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ خود کو برتر محسوس کرتے ہیں ۔اسلام میں ہمارا واحد برتر خدا تعالیٰ ہے ہم نہ تو کسی انسان سے اچھے اور اور نہ کسی سے بُرے ۔ہماری اچھائی برائی کا فیصلہ صرف خدا تعالیٰ ہی ہمارے اعمال کی بنیاد پر فرمائے گا مسلمانوں کی یہ حقیقی خوشی مجھے متاثر ہونے سے نہیں روک سکی۔

مسلمانوں کا عمدہ کردار جس نے مجھے متاثر کیا بلا روک ٹوک اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں کوئی عیب نہیں یا پھر سنگین قسم کا عیب نہیں ۔میں بہت سارے ایسے مسلمانوں کو جانتا ہوں جو غیر مسلموں کی طرح احمق، دولت کے شکاری آپے سے باہر ہونے والے ،جرائم کے مرتکب اور غیبت کرنے والے ہیں ان میں بہت سارے نامکمل مسلمان ہیں وہ مغربی اقدار

میں بھٹک گئے وہ اسلام کا مطالعہ نہیں کرتے وہ اسلامی تصورات کو اپنانے میں غفلت کے مرتکب ہیں ۔وہ خلافِ اسلام بہنے والے واہیات قسم کے دھارے میں بہہ گئے ہیں اور اسلام کو نظر انداز کر دیا ہے ۔لیکن میں اب بھی محسوس کرتا ہوں کہ وہ ان غیر مسلموں سے بہتر ہیں جنھیں میں ملا ہوں ۔ان میں اب بھی بنیادی نوعیت کی شرم و حیا اور شفقت دکھائی دیتی ہے جو کہ غیر مسلموں میں مکمل طور پر ناپید ہے۔یہ شخصی نوعیت کی خوبیاں بہت ہی اہم ہیں ،اگر میں نے عیسائیت ،سوشلزم اور مارکسزم کو مسترد کیا تھا تو ایسا اس لیے تھا کہ آپ ان لوگوں میں ان کی اچھی خصوصیات والے عقائد کا اثر بھی محسوس نہیں کرتے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس دنیا کو بہتر مقام میں نہیں بدلا جا سکتا ،کیونکہ یہاں پائے جانے والے انسان اس قدر گھٹیا ہیں کہ ان کے ذریعے تعمیری کام نہیں کیا جا سکتا ۔کیمرج کے عیسائیوں کے ان گھٹیا خصائل نے مجھے زبردست دھچکا پہنچایا ۔لیبر پارٹی کے کونسلر اور ممبر پارلیمنٹ جیسے معمولی عہدوں کے لیے مظاہرے کرتے دکھائی دیتے تھے ۔مارکسی لوگ کچھ زیادہ ہی مختلف تھے ان میں کچھ لوگ تو لیبر پارٹی کے کارکنوں سے بھی زیادہ مفاد پرست تھے ۔اور وہ مکمل طور پر خود غرض تھے ۔کچھ تو دوسرے لوگوں سے بحث و مباحثہ، تکرار اور لڑائی جھگڑے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے ۔بہت سارے لوگ بلا نوش تھے اور ساتھ ہی ذاتی طور پر ظالم اور خود غرض بھی ۔ میں یہ جان کر حیران تھا کہ اس معاشرے میں کچھ ایسے ناگوار قوانین بھی ہیں جنھوں نے فیصلہ دے رکھا

ہے کہ جو معاشرہ اس حد تک غیر منصف اور ظالم ہو جائے کہ اسے بدلنے والے افراد کا اخلاقی کردار بھی تباہ ہو چکا ہو تو ایسا معاشرہ اپنی اصلاح کے امکان بھی گنوا بیٹھتا ہے۔

پھر میں نے اسلام کو دیکھا کہ اس کے ماننے والے لوگ اپنی اچھی خصوصیات اور اچھی شخصیت کے باعث اس دنیا کو بدل سکتے ہیں۔اسلام نے انھیں اس معاشرے کے برے اثرات سے محفوظ رکھا ہوا ہے، جہاں میں رہتا ہوں وہاں کے مسلمان درحقیقت سب سے نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ،انھیں بہت کم اجرت دی جاتی ہے اور وہ بہت ہی معمولی گھروں میں رہتے ہیں وہ پولیس کے خوف وہراس اور نسلی تشدد کا شکار ہیں ان کے ساتھ اسی معاشی طبقے کے کچھ سفید فام افراد بھی رہتے ہیں لیکن وہ نسل پرستی کا شکار نہیں بنتے ۔یہ ایک غور طلب چیز ہے کہ وہ کس طرح اپنا وقار عزتِ نفس اور اپنا مخصوص طرز حیات برقرار رکھے ہوئے ہیں جو کہ ان کے پڑوسی غیر مسلموں سے بالکل مختلف ہے ۔اسلام غریبوں کو حقیقی عزت اور مقام بخشتا ہوا نظر آتا ہے ۔میرے نزدیک یہ پسے ہوئے لوگوں کا اپنے ظالموں سے سچا انتقام ہے کہ وہ اپنی شخصی اور اخلاقی وحدت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وہ زندگی سے بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں ۔ شاید ان ذاتی وجوہات کے اس بیان کو یہ کہتے ہوئے ختم کرنا بہتر ہے کہ معاشرے کے بالکل نچلے طبقے میں رہتے ہوئے اعلیٰ انسانی اوصاف کو برقرار رکھنا ان حیرت انگیز لوگوں کا انوکھا کارنامہ ہے جس سے میں واقف ہوں ۔

میرے مسلمان ہونے کی یہ ذاتی وجہ ہے۔

علمی وجوہات

میرے مسلمان ہونے کی دوسری وجہ علمی ہے میں نے اپنے علمی فرائض کے حصے کے طور پر تاریخِ عالم اور سیاسیاتِ عالم کا مطالعہ کیا ہے اس چیز نے میری اسلام اور عالم اسلام کے متعلق مطالعے کی طرف رہنمائی کی، دوران مطالعہ مجھے احساس ہوا کہ اسلام دنیا میں کس قدر اہم ہے اور مجھے آگاہی ہوئی کہ اسلام نے اس دنیا میں کیا کردار ادا کیا ہے مجھے کبھی بھی ایسی نیکی سے دلچسپی نہیں رہی جو چرچ کی حد تک محدود ہو۔ نیکی ایسے حقیقی افعال کو کہا جانا چاہیے جو مظلوم کے لیے مددگار ہوں اس وجہ سے مجھے کسی ایسے مذہب سے دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی جو دنیا سے کنارہ کشی کا درس دیتا ہو۔ تقویٰ ایک اہم چیز ہے لیکن اس کا مقصد دنیا میں نیک بننا ہے۔ اسلام خواہش کے لیے دو حوالوں سے موزوں ہے۔

اولاً اسلام کا مقصد نیک اعمال ہیں۔ کچھ مذاہب میں تنہا عقیدہ ہی کافی ہے۔ لیکن قرآن میں کبھی بھی عقیدے کا ذکر نیک اعمال کے بغیر نہیں کیا گیا۔ بلکہ قرآن پاک کے محتاط مطالعے سے منکشف ہوتا ہے کہ نیک اعمال ہی عقیدہ ہیں۔ شفقت بھرے کام، غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، والدین اور اہل خانہ سے حسن سلوک، اجنبی لوگوں کا خیر مقدم کرنا بذات خود عقیدہ ہیں۔ اور عقیدہ جو عمل سے خالی ہو منافقت ہے بلکہ اچھے اعمال عقیدے کی پرورش کرتے ہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط بنانے کے لیے الٰہیات کا مطالعہ نہ کیجئے بلکہ غریبوں کی مدد

کیجیے۔اسلامی تصوف انسانی نظروں سے ماورا کسی طلسمی چرچ کی رہنمائی نہیں کرتا بلکہ تصوف دنیا کو براہِ راست نیک اعمال سے بدلنے کا درس دیتا ہے۔کیونکہ اسلام میں نیک اعمال کا مقصد ہی دنیا کو بدلنا ہے۔نیک اعمال ذاتی اور نجی نہیں ہیں۔بہت سارے عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال زندگی کی شاہراہ سے دور ہٹ کر واقع ہیں اسلام میں زندگی کا مقصد ایسے معاشرے اور ریاست کی تعمیر ہے جس کا حاکم خدائے واحد ہو۔جنت اس برے جہاں کے مقابلے میں کوئی پرسکوں مقام نہین ہے جنت اسی جہاں میں ہمارے اپنے اعمال سے پیدا کردہ ایک مقام ہے۔اس جہاں میں ہم اپنے اعمال سے بیج بوتے ہیں جو آگے چل کر جنت بنے گی یوں جنت یہاں تعمیر کی جاتی ہے۔یہ دنیا ایک مکمل جہان بن سکتا ہے یہاں کسی نجات دہندہ یا راہب کی کوئی ضرورت نہیں۔اسلام میں جتنے بھی اعمال ہیں وہ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنے والے اور دنیا کو ایسا مقام بنانے والے ہیں جہاں انسان حقیقی طور پر پھل پھول سکیں۔اسلام مظلوموں کی مدد کے حوالے سے میری خواہش کے اس قدر عین مطابق ہے کہ کوئی دوسرا نہیں۔

لیکن اسلام ایک دوسرے حوالے سے بھی موزوں ہے۔اگر کوئی کام آپ کے نزدیک درست ہے تو ضروری ہے کہ آپ اس کے بارے میں سوچیں اور کر گزریں۔اگر آپ تنہا بھی ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں۔لیکن یہ ایک بہت بڑا انعام ہے کہ محض ایک عقیدہ ہی نہیں جو ایسا ہی کرنے کے لیے کوشاں ہے جیسا کہ میں چاہتا ہوں بلکہ یہ ایک بہت بڑی تحریک ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک میں مسلمان

موجود ہیں اور چالیس سے اوپر ممالک میں وہ غالب اکثریت بنتے ہیں۔ بہت سال پہلے اسلام زبوں حالی کا شکار ہوا اور بہت سارے ممالک میں زبوں حالی کا شکار ہے۔ لیکن اس گھڑی مسلمان اس زبوں حالی سے ابھر رہے ہیں اور حقیقی اسلام کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

مزید برآں اسلام میں مظلوموں کی مدد اور نئے معاشرے کی تعمیر کے حوالے سے ایک بڑی تحریک موجود ہے۔اسلام کی یہ تحریک بڑی وسیع اور مختلف النوع ہے۔ یہ تحریک اسلام کے مختلف گروہوں اور مختلف علاقوں میں موجود ہے۔ کچھ مقامات پر یہ تحریک انقلابی نوعیت کی ہے۔ کچھ جگہوں پر آئینی اور کچھ علاقوں میں سیاسی طور پر سرگرم ہے جبکہ کچھ دوسرے مقامات پر سماجی انداز سے کام کر رہی ہے جیسے اسکول اور کلینک تعمیر کرنا اور اسلامی خطوط پر بینک قائم کرنا۔ میرا یہ ایمان ہے کہ اسلام کا یہ عظیم اٹھاؤ مظلوموں کو نجات دلاسکتا ہے اور اسی وجہ سے لوگ پوری دنیا میں اسلام کی بات کرتے ہیں کیونکہ اسلام آج کل پوری دنیا میں پسے ہوئے طبقوں کی مدد کے حوالے سے رہنما کردار ادا کر رہا ہے۔ ایک صدی قبل لوگوں کی نظریں یورپ کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ وہ ایسا نظام پیش کرے گا جو مظلوموں کا مدد گار ہوگا۔ نئے سرمایہ دارنہ نظام کے حامی افراد نے اپنی جمہوریت اور سائنس کے ساتھ ایک نئی اور پُر امن دنیا تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ خاص طور پر امریکہ میں جہاں یہ خواب دیکھا جا رہا تھا کہ ہر شخص خوشحال ہو سکتا ہے۔

پچھلی صدی امریکہ اور یورپی سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی کی صدی

ثابت ہوئی ہے، نیا معاشرہ حرص، نسل پرستی، جرم، جنس زدگی، وحشی پن، اور گھناؤنی عدم مساوات کا شکار ہے جہاں غربت سے نفرت کی جاتی ہے اور اس پر ظلم ڈھائے جاتے ہیں اور یہ نظام غیر یورپی دنیا میں پہنچایا گیا جس نے اس سے بھی زیادہ بھونڈے معاشرے پیدا کیے۔ یورپ کے اعلیٰ طبقے بیتھون کے اعلیٰ تمدن تک پہنچ گئے اور یورپی سومو بن گئے۔ تھائی لینڈ اور جنوبی کوریا کا اخلاقی اور طبعی بگاڑ ناقابل بیان ہے اگر یورپ تمام دنیا پر غالب آنے کی کوشش جاری رکھتا ہے تو یہ بہتر معاشرے کی تعمیر میں رکاوٹ بنے گا۔

پچاس سال قبل لوگ اسٹالن کے روس کی طرف ایسے نظام کی طرف دیکھتے تھے جو مظلوموں کا مددگار ہوگا لیکن سٹالن کی موت کے ساتھ یہ امید بھی انجام کو پہنچ گئی۔ چند سال تک کیمونسٹ دنیا نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ کرسکتی ہے لیکن یہ خواب بھی چکنا چور ہوگیا۔ بلکہ آج کل یہ منصوبے کھنڈرات میں بدل چکے ہیں اور غیر کیمونسٹ دنیا کے لیے اس کا وارثی ایتھوپیا جیسے مقامات پر مقامی جنگوں کا سلسلہ ہے جن کی وجہ سے غریب اور مظلوم لوگ سنگین مصائب میں مبتلا ہیں۔ آج اسلام اس مقام پر کھڑا ہے جہاں سرمایہ دارانہ نظام سو سال پہلے اور کیمونزم پچاس سال پہلے کھڑا تھا۔ لیکن ایک فرق ہے اشتراکیت اور اشتمالیت دونوں یورپ کے اعلیٰ طبقے کی تحریکیں تھیں۔ یورپ اور امریکہ کے امراء نے سرمایہ دارانہ نظام کی تعمیر کی اور روس کے انتہائی غلط استدلال کرنے والے ملحد اور ذی علم لوگوں نے خود کو لینن کی پارٹی میں منظم کر

لیا۔ جبکہ عوام وہ چیز تھی جس پر تجربے کیے جاتے تھے اسلامی تحریک صرف عوام کی تحریک ہے ۔اسلامی ممالک میں امیر لوگ اور پڑھے لکھے عام طور پر اسلام کے شدید دشمن ہیں ۔وہ اسلام دشمنی میں سرامایہ دارانہ نظام اور اشتمالیت سے بھی آگے ہیں وہ اسلام کے خلاف الزام تراشی کرتے وقت سب کچھ کہہ دیتے ہیں ۔خفیہ پولیس اسلام کو کچلنے کے لیے سب کچھ کرتی ہے جو وہ کر سکتی ہے۔ بلکہ اسلام کے حامی پڑھے لکھے لوگوں کا قتل تک کر گزرتی ہے ۔یوں اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں رہ گیا ہے جو بذاتِ خود مظلوم ہیں یہ تمام تحریکیں ایسے لوگوں کا غیر ارادی عمل ہیں جو معاشرتی جبر کا شکار ہیں اور جنھیں سرمایہ دار اور کمیونسٹ آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر کچل دینا چاہتے ہیں ۔ جبکہ دنیا بھر کے مظلوم بے بسی کے عالم میں بھی اسلام کے حامی ہیں بدترین ظلم اور ناانصافی مسلم ممالک میں جمع ہو گئی ہے۔

مجھے کامل یقین ہے کہ ہر جگہ کے مظلوم اسلام کی ضرورت محسوس کرتے ہیں مثال کے طور پر امریکہ میں عیسائیت نے سیاہ فام لوگوں کے ساتھ شرمناک سلوک کیا ہے۔ عیسائیت سفید فام لوگوں کا مذہب بن کر رہ گئی ہے ۔سفید فاموں کی عیسائیت میں، کالے لوگ ہمیشہ دوسرے درجے کے لوگ ہونگے۔اسلام ایک حقیقی غیر یورپی غیر سرمایہ دارارانہ اور غیر کمیونسٹ آواز ہے یہی وہ آواز ہے جو دنیا کو بچا سکتی ہے ۔ لاطینی امریکہ پر ایک ناقدانہ نظر ڈالئے جہاں کئی پشتوں سے رہنے والے انڈین، افریقی غلاموں کی اولاد اسپین اور پرتگال کے مہاجر دوردراز اٹلی میں ایسے پوپ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیے گئے ہیں جو سرمایہ داریت کا حامی ہے ۔میں ذاتی

طور پر محسوس کرتا ہوں کہ یہ میرا فرض ہے کہ میں مظلوم لوگوں کا ساتھ دوں ۔ برطانیہ میں مسلمان تمام طبقوں سے زیادہ پسے ہوئے ہیں ہو سکتا ہے اسلام دشمنی کی اس تازہ دشمنی میں وہ بھی اس مرحلے سے گزریں جس کا تجربہ یہودیوں کو ہو چکا ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بھی مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔

چند سال قبل عام طور پر یہ سوچا جاتا تھا کہ نوع انسانی کی توقع تیسری دنیا سے وابستہ ہے ۔ بہت سارے لوگوں نے پرانی نوآبادیات میں بہتر معاشرے کی تعمیر کے لیے بہت سارے منصوبے بنائے لیکن کچھ نہ ہو سکا۔ اب ایک شوخ قسم کا نیا سرمایہ دارانہ نظام ان علاقوں میں اپنے آپ کو اجاگر کررہا ہے۔

تیسری دنیا کیلیے اب واحد امید اسلامی تحریکیں ہیں اور یہ تحریکیں ایسے لوگوں کے لیے بھی امید ہونگی جو تیسری دنیا کی طرف دیکھ رہی ہیں۔اگر اسلامی تحریکیں حقیقی اسلامی خطوط پر ایک مثالی معاشرہ اور مثالی طرزِ عمل وضع کرلیتی ہیں تو یہ چیز پوری دنیا میں تحریک برپا کردے گی ۔ کمیونزم کی نیک نامی ۱۹۳۰ء میں جب ہر طرف تباہ کاری تھی اسٹالن کی معاشی ترقی اور مکمل روزگار پیدا کرنے والی صلاحتوں کے باعث ہوئی لاکھوں لوگ کمیونسٹ ہوئے اگر ایران ۔،الجزائر یا پاکستان اپنے مسائل اسلامی اصولوں کے مطابق حل کرتے ہیں تو پوری دنیا کے مظلوم مسلمان بن جائیں گے۔آخر کار مشرق و مغرب کے خوفناک حد تک یہ غیر منصف اور ظالم معاشرے ختم ہوجائیں گے ۔ بشرطیکہ ان معاشروں کے مظلوم کسی بھی

مقام پر کوئی قابلِ عمل معاشرہ دیکھ لیں ۔ امریکہ ،ایشیا، لاطینی امریکہ کے پسے ہوئے عوام ہوسکتا ہے اس سے مستقبل کے لیے رہنمائی حاصل کریں۔

عالمی امور کا سب سے بڑا مسئلہ امریکہ اور یورپ کے مظلوم لوگوں کا جمود ہے جو ٹس سے مس نہیں ہوا ہے۔ جبکہ ان کے معاشرے غیر منصف ہیں اور ان کی حکومتیں تیسری دنیا کو نشانہ بنا رہی ہیں ۔ایک مثالی اسلامی معاشرہ اور یورپ و امریکہ میں مسلمانوں کی موجودگی ان مظلوم لوگوں میں تحریک پیدا کرسکتی ہے۔

یہ خواب ہیں ۔لیکن اس وقت مسلمان ہونا کتنا خوش کن امر ہے جب اسلام ہر مقام پر ایک ایسی تحریک میں موجود ہے جو دنیا کو ناانصافی اور ظلم سے مکمل طور پر غیر محفوظ کرسکتی ہے میں پوری صداقت کے ساتھ یقین رکھتا ہوں کہ اسلام بہت سارے مایوس لوگوں کی امید ہے اور مجھے یقین ہے کہ اسلام ایسے لوگوں کے لیے مستقبل تعمیر کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے اور میرے اسلام قبول کرنے کی علمی وجہ ہے کہ میرے تعلیمی مطالعے نے میری اس سمت رہنمائی کی۔

سیاسی وجوہات

میرے مسلمان ہونے کی تیسری وجہ سیاسی ہے۔میں پسے ہوئے اور مظلوم لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں اور ایک اسلامی تحریک واضح طور پر ابھر رہی ہے لیکن اسلام کے پاس ان مسائل کا حل ہے جو عوام پر ہونے والے ظلم کے پس پردہ کارفرما ہیں ؟ اگر اسلام کو پھلنے پھولنےکا موقعہ ملے تو کیا یہ مظلوموں کی مدد کرے گا؟ کیا اسلامی ریاست مظلوموں کی مدد کرے گی ؟ میرے خیال کے مطابق اسلام کے پاس ایسے سنگین سیاسی مسائل کا حل موجود ہے جنہوں نے مظلوموں کے دلوں کو بوجھل کر دیا ہے اور اسلام کے پاس ان مسائل کا حل محض اتفاقی طور پر موجود نہیں بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے جدید دنیا کا ایک گھمبیر مسئلہ نسل پرستی ہے یہ ایسا نظریہ ہے جس کے مطابق نوع انسانی میں حیاتیات ایک بنیادی چیز ہے واضح طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حیاتیاتی نظریہ لوگوں کو رنگوں کی بنیاد پر برتری اور کمتری دینے والے نظریات میں شامل ہے۔لیکن یہ نظریہ بذاتِ خود یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ انسان وہی کچھ ہے جو اس کے طبعی ورثے نے اس کو بنایا ہے۔ آدمی نیک ہے یا بد ،ہوشیار ہے یا احمق،مجرم ہے یا قانون کا احترام کرنے والا صرف اسی وجہ سے ہے کہ اس کے حیاتیاتی ورثے نے اس کے لیے یہی مقدر کر دیا ہے۔نسل پرستی بہرنو حیاتیاتی تقدیر پرستی ہے۔

نسل پرستی بہت زیادہ دہشت انگیز ہے ۔کیونکہ یہ خود اعتمادی سے

بڑا اور شعور سے عاری ظلم کو جنم دیتی ہے۔کالے لوگ بھوکے مر رہے ہیں لیکن کوئی انہیں کام پر لگانے کو تیار نہیں۔انہیں احمق قرار دے کر برا بھلا کہا جاتا ہے ان کی تعلیم کو نظر انداز کیا جا رہا ہے وہ پولیس کی نظر میں ہمیشہ مشکوک رہے ہیں انہیں قید کر لیا جاتا ہے یہ سب کچھ ان کے ساتھ ان کی حیاتیاتی وجوہ کی بنا پر ہو رہا ہے جس کا نہ کبھی وہ اپنی مرضی سے انتخاب کر سکتے ہیں اور نہ ہی بدل سکتے ہیں۔اسلام کی سب سے بڑی خوبی نسل پرستی اور حیاتیاتی جبر کو مکمل طور پر مسترد کرنا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت سفید فام نہیں، مسلمان ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن نسل پرستی کو مسترد کرنا محض اتفاقی نہیں بلکہ اس کی جڑیں اسلام کی تاریخ اور اس کے فلسفے میں اتری ہوئی ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا کہ گوروں کو کالوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ایک قریب ترین صحابی حضرت بلالؓ ایتھوپیا کا ایک سیاہ فام غلام تھا۔اس کی اصل وجہ اسلام کا اپنا ایک تصور حقیقت ہے اسلام میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خدا نہیں اور انسان کی اصل عظمت اس کی اطاعتِ خداوندی میں مظہر ہے۔محض خدا تعالیٰ کی عبادت ہی اہم چیز نہیں ہے بلکہ یہ وہ واحد سوچ ہے جو اس بات کا سبب بنتی ہے کہ کسی انسان کی نسل کو مدنظر رکھنا خدا تعالیٰ کی توہین کے مترادف ہے جب ہم کسی شخص کو دیکھتے ہیں تو ہمارے پیشِ نظر صرف اس کے نیک اعمال اور اطاعت خداوندی ہوتی ہے۔

ہر مرد اور عورت کو خدا تعالیٰ کی اطاعت کے اہل بنا کر پیدا کیا گیا

ہے اسلام میں گناہ فطرتِ اسلامی میں داخل ہونے کا کوئی تصور نہیں۔ انسان کے پاس ہمہ وقت نیک کام کرنے کی صلاحیت موجود ہے خدا تعالیٰ کی مخلوق اس لیے پیدا نہیں کی گئی کی اسے سزا دی جائے۔لہٰذا یہ دلیل قائم کرنا کہ انسان کو گنہگار پیدا کیا گیا ہے خدا تعالیٰ پر ایک بہت بڑا بہتان باندھنے کے مترادف ہے۔تمام مرد اور عورتیں اعلیٰ قسم کے انسان بن سکتے ہیں۔تمام لوگ یکساں طور پر نیکی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔نسل پرستی اور حیاتیاتی جبر کا مرکز ڈارون کا یہ نظریہ ہے کہ دنیا ایک بے رحم اور وحشیانہ مقابلے کا مقام ہے۔ان لوگوں کے نزدیک دنیا معقول ظالموں اور پاگلوں کا مقام ہے۔انسان بہر طور دوسرے انسانوں کے لیے ایک بھیڑیا ہے۔لیکن اسلام کے مطابق اللہ رحم کرنے والا مہربان ہے دنیا ایک شفقت اور محبت بھرا مقام ہے یہ انسان کا گھر ہے۔دنیا پاگل خانہ یا کوئی برا مقام نہیں ہے۔ جو چیز اسے برا بناتی ہے وہ انسان کی عبادتِ خداوندی میں ناکامی ہے ڈارون کا نظریہ خدا تعالیٰ پر بہتان ہے اور خدا تعالیٰ کی توہین ہے۔جدید سماجی اور حیاتیاتی علوم اسلام کی مکمل تائید کرتے ہیں۔

جرائم کا سبب نسل نہیں بلکہ بُرا اور خود غرض معاشرہ ہے انسان ذہانت اور قابلیت کا کوئی خاص معیار لے کر پیدا نہیں ہوتے۔اگر دنیا بھیڑیوں کا میدانِ جنگ ہے تو سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہے۔جو ایک کو دوسرے کے خلاف ایک بے رحم مقابلے میں ڈال دیتا ہے مجھے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ اسلام نسل پرستی اور حیاتیاتی جبر کو مسترد کرنے میں قطعی طور پر درست ہے۔

تاہم دوسرے تمام مذاہب نسل پرستی سے آلودہ ہیں۔ہندوؤں کی ذاتیں اپنے اثر ونفوذ کے حوالے سے بدترین نسل پرستی کی ہم شکل ہیں ہر شخص نیکی کے مساوی معیار پر پیدا ہوا ہے۔یہودیت کو آج کل صیہونیت اور نسلی امتیاز کے مسلک کا چھوت لگ گیا ہے۔عیسائیت جتنا کہ میں اس کو دیکھ سکا ہوں نسل پرستی سے داغدار ہے۔یہ گوروں کا مذہب ہے۔ہندومت میں نسل پرستانہ مفروضے بنیادی فلسفے میں شامل ہیں۔ یہودیت میں نسل پرستی نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے پیروکاروں نے یہودی قوم کا تصور دے کر نسل پرستی کے نظریوں کی نقل اتاری ہے۔عیسائیت میں نسل پرستی نہیں ہونی چاہیے تھی۔میرا خیال ہے کہ گناہ کے فطرت میں شامل ہونے کے الٰہیاتی عقیدے،خدا تعالیٰ کی پسند کے تصور اور جان کلیون کے نظریے میں پائی جانے والی مکمل تقدیر پرستی نے عیسائیت کو نسل پرستی کا کسی بھی شکل میں گھس جانا خود ان مذاہب کے لیے بڑا باعث ہتک ہے۔صرف اسلام پیغمبروں کی تعلیمات پر دیانتداری سے عمل پیرا ہے۔

میں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے کہ ہر شخص کو عیسائیت اور یہودیوں کی نسل پرستی کی خوفناکی مثلاً فلسطینیوں پر نہ ختم ہونے والا ظلم، چرچوں کا سیاہ فام غلاموں کی تجارت کی منظوری دینا۔نسلی امتیاز ہر قائم حکومت کو بعض چرچوں کی طرف سے خداداد قرار دے کر پسندیدگی ظاہر کرنا۔بہت سارے چرچوں اور بہت سارے عیسائیوں کی ہٹلر کے قتل کے وقت بے حسی سے آگاہ ہونا چاہیے۔۔ایک سفید فام کی حیثیت میں میں محسوس کرتا ہوں کہ نسل پرستی کو بھلانے اور اسے دفن کرنے کے لیے صرف

اسلام ہی بہترین مذہب ہے ۔اسلام تمام نسلوں کا مذہب ہے، بلکہ اسلام تاریخی طور پر سفید فاموں کو ہی اسلام میں یہ کردار ادا کرتا ہے کہ کالے لوگوں کے ساتھ بھائیوں اور بہنوں جیسے تعلقات استوار کریں جو کہ مساجد میں ان کے ساتھ ہونگے ۔ یوں گوروں کے لیےنسل پرستی بھلانے کا واحد ذریعہ اسلام ہی ہے۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ میں مسلم معاشرے میں کتنا خوش ہوں۔نسل پرستی کو بھول جانا میرے لیے بڑی راحت فزا چیز ہے ۔میں نے محض مذہب کی نسل پرستی کا ذکر نہیں کیا ۔میں نے لیبر پارٹی کی تحریک اصلاح کو نسل پرستی کی بدترین صورت میں پایا ہے ۔افغانستان میں ہونے والی لاکھوں اموات اور ہجرت پر گہرے سکوت نے مجھ پر مارکسیوں کی اصل پرستی عیاں کردی ہے۔ حالانکہ وہ مزدور طبقہ کے بین الاقوامی اتحاد کے دعوے دار بھی ہیں۔

جدید دنیا کا ایک اور مسئلہ قومیت پرستی بھی ہے ۔یہ نسل پرستی کے بہت قریب تر ہے ۔اور کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں اور وہ زیادہ تر یہاں بھی لاگو ہوتا ہے جس طرح چند لوگ نسل کی پرستش کرتے ہیں قریب قریب ایسے ہی ہر شخص اپنی قوم کی پوجا کرتا ہے ۔ بہت سارے لوگ قوم کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہیں ۔قوم انسانی مسائل کے حل میں ایک بڑی رکاوٹ ہے ۔ بہت سارے سیاستدان اپنے ووٹروں تک یا پھر کارکنوں تک محدود رہتے ہیں ۔اور دوسرے ملکوں کے شہریوں جو وہاں رہتے ہیں سے اس لیے لاتعلق رہتے ہیں کہ وہ انھیں ووٹ نہیں دے سکتے اور نہ ہی پارٹی کارڈ اپنے

پاس رکھ سکتے ہیں۔

یہاں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو بین الاقوامیت کے حامی ہیں لیکن اس نظریے کے ساتھ ان کی وابستگی کمزور اور بوڑھی دکھائی دیتی ہے حالانکہ وہ جھنڈے اٹھائے جلوسوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔انسانوں میں بھائی چارے کے حوالے سے انسان دوستی کا مبہم نظریہ کسی شخص کو متاثر کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔اسلام نے قومیت پرستی کو مطلقاً مسترد کردیا اور بڑی اہم وجوہات کی بنیاد پر کیا تمام لوگ براہِ راست خداتعالیٰ کے تابع ہیں اور واحد ضروری چیز اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہے۔جسے نیکی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام صرف ایک مذہب ہے اورنیکی و بھلائی کی طرف بلانے والے لوگوں کا گروہ ۔اسلام نیک اور خوفِ خدا رکھنے والے لوگوں کی تحریک ہے جسے امت کہا جاتا ہے۔اس تحریک کا فقط ایک ہی مقصد ہے نیکی و بھلائی کی طرف بڑھو اور بڑھتے چلو اور ہر جگہ تمام انسانوں کو اس تحریک میں پرولو۔اور اس قسم کے اچھے شہری خواہ وہ کہیں ہوں اسلام کے شہری ہیں۔قومیت کا کوئی پھاٹک نیکی میں حائل ہوسکتا ہے اور نہ ہی اطاعتِ خداوندی میں۔اسلام اپنے وجود میں ایک ایسی تحریک ہے جو تمام سرحدیں عبور کرتی ہے اور میں برطانیہ میں رہتے ہوئے کسی بھیانک شخص کا بھائی ہوں خواہ وہ کہیں رہتا ہو مسلمان ایک دوسرے کو بھائی بہن کہتے ہیں یہ اصل نکتہ ہے جسے مسلمان سمجھتے ہیں۔

اسلام میں نہ کوئی قومی اور نہ ہی سرکاری چرچ ہے یہاں ہر طرح کی فرقہ بندی کی مذمت کی جاتی ہے اور اسے ناپسند کیا جاتا ہے ایران کے

مسلمان سعودی عرب یا کسی دوسرے ملک کے مسلمانوں سے ملتے ہوئے جھجکتے نہیں اور مسلمانوں کا ایک سالانہ اجتماع ہوتا ہے جس میں ہر قوم کے مسلمان شریک ہوتے ہیں ۔یہ حج ہے اور مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے۔

ایک مغالطہ یہ ہے کہ اسلام عرب قوم پرستی ہے ۔عرب دنیا کی بہت ساری حکومتیں اور بہت ساری تحریکیں یورپی قوم پرستی سے متاثر ہوئی ہیں۔لیکن یہ جدید اور ملحدانہ قوم پرستی ہے ۔پیغمبر اسلام ﷺ عرب تھے لیکن انھوں نے ارشاد فرمایا کہ" عرب اور غیر عرب برابر ہیں" پیغمبر ﷺ کو عربوں میں بھیجا گیا ۔قرآن عربی زبان میں ہے اور کبھی بھی کسی دوسری زبان میں صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا ۔لیکن میرے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس لیے منتخب فرمایا کہ غریب تھے اور وسیع و عریض بیابان میں رہتے تھے جہاں دشمنی عام تھی ان کی اس گئی گزری صورتِ حال نے انھیں پسماندہ بنادیا نہ کہ انکی نسلی برتری کے احساس نے ۔

جدید دنیا کا ایک اور مسئلہ مذہبی تشدد ہے ۔مذہبی تشدد ہر طرح کے تشدد سے بدترین ہے ۔کیونکہ انسان خداتعالیٰ کی تلاش کے امکان سے ہی منکر ہوجاتا ہے اور بہت سارے فرقے فرقہ وارانہ غلاظت سے آلودہ ہوجاتے ہیں ۔یہ ایسا تشدد ہے جو انسان کی روح اور قبر سے بھی آگے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے ۔یہ بہت ظالمانہ ہے کیونکہ یہ تمام ظالموں کی اصل منزل کو پا سکتا ہے ۔اور وہ تشدد کے شکار انسان کو اخلاقی طور پر تباہ کرتا ہے اس تشدد کے شکار انسان سے اس کا اخلاق چھین لیا جاتا ہے اور اس کی روح کو باطنی یکسوئی سے محروم کردیا جاتا ہے ۔فرقہ واریت کی گندگی شمالی آئرلینڈ

میں دیکھی جا سکتی ہے جہاں نفرت کی سطح یقین سے باہر ہے۔

جدید دنیا میں مذہبی جبر کی جڑیں نہ تو مذہبی عقیدوں میں ہیں اور نہ مذہبی عقیدوں کی قلت میں ۔ بلکہ یہ مذہب کو نوآبادیاتی اور سرمایہ دارانہ مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنے کا نتیجہ ہے ۔تمام بڑی سفید فام سرمایہ دار قومیں مذہب کو نعرے کے طور پر استعمال کرتی ہیں ۔ اسپینی کیتھولک ازم کو لاطینی امریکہ اور فرانس میں استعمال کرتے ہیں برطانوی عیسائیت کو افریقہ اور ایشیا میں استعمال کرتے ہیں اور روس کی روسی سلطنت روسی عقائد کا سہارا لے کر بہت سارے ملکوں پر اپنے حملے کا جواز پیش کرتی ہے ۔ جدید ہند کے عظیم مفکر اقبال نے لکھا تھا کہ الحاد کی وجہ عیسائیوں کی بدسلوکی ہے ۔اگر عیسیٰؑ کو یہ کہا جائے کہ وہ امریکن انڈین کو انتہا پسندی یا نصر کے قتلِ عام کی تبلیغ کریں تو کون ایسا شخص ہوگا جو مذہب کو مسترد کرنے میں شکار ہوگا۔

مارکسی الحاد پسند مذہب کو مسترد کرنے میں اخلاقی طور پر بے قصور نظر آتے ہیں کمیونزم کے جواب میں مذہب کو مجبور کیا گیا کہ سرمایہ دارانہ نظام کی اچھائی ،عدمِ مساوات کی نامعقولیت اور بدکاریوں کے فوائد کی تبلیغ کرے ۔جدید امریکہ میں غریبوں کو بائبل سے حذف کردیا گیا ہے۔اس لیے ہم دنیا میں ظالم قسم کی عیسائیت پاتے ہیں۔

اور اس کے جواب میں الحاد پسند کمیونزم ،صیہونیت (تشدد پسند یہودی) بھی ساتھ ہی عیسائیت کی پیٹھ پر سوار ہے۔ بے شک شمالی آئر لینڈ میں مظلوم کیتھولک ہیں جن پر پروٹسٹنٹ لوگوں نے ظلم کیا ہے خاص طور پر

پوپ ان تمام تکالیف کو نظر انداز کر دیتا ہے۔اور انھیں برطانیہ کو قبول کرنے کی ضرورت کا درس دیتا ہے۔نتیجہ یہ کہ سن فائن آئر لینڈ کے دہشت گردوں کی سیاسی جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے مارکسی نظریہ اختیار کرلیا۔اس تاریخی تشدد کا نتیجہ یہ ہے کہ کہ مذہبی تشدد کا واحد مطلب اسلام کا تشدد لیا جاتا ہے۔لیکن اس کے برعکس اسلام ہر جگہ پر مظلوم مذہب ہے۔ مغرب کا یہ تشدد شہنشاہانہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں جڑ پکڑنے کا سبب ہے۔ جسے اسلام مسترد کرتا ہے۔اور اس کا جائزہ ہم آگے چل کر لیں گے۔ اسلام مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو بھی مسترد کر کے کبھی بھی ایسے شہنشاہانہ نظام کو پروان نہیں چڑھا سکتا جس کے سوتے اس سرمایہ دارانہ نظام سے پھوٹتے ہیں۔اس لیے اسلام سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں کی مخالفت کا نشانہ اور ہدف بن گیا ہے۔فرانسیسیوں نے افریقی اسلام کو اپنا نشانہ بنایا اور ہدف بنایا۔برطانویوں کا ہدف عرب اور ہندی مسلمان تھے اور روسیوں نے جنوبی سرحدی علاقے کے اسلام کو اپنا شکار بنایا۔

اس طرح اسلام ایسے لوگوں کا مذہب ہے جو آج کی مغربی شہنشائیت کا نشانہ ہیں۔اس لیے بھی کہ مسلمان دنیا مغربی شہنشائیت کے حامی گروپوں کے زیر تسلط رہی ہے۔اسلام ان ممالک میں بھی مظلوم مذہب ہے جہاں سو فیصد مسلمان ہیں۔ برطانیہ میں ''بی بی سی'' مسلسل بیہودہ قسم کے عیسائی پروگرام جاری رکھے ہوئے ہے اور مذمت دین پر مشتمل قوانین اس قسم کے پروگراموں میں مداخلت نہ کرنے کو یقینی بناتے ہیں۔مصر،تیونس اور اردن میں اسلام مخالف افراد کھلے عام ٹی وی پر اسلام کے خلاف زبان درازی

کرتے ہیں اور اسلام مخالف دنیا میں بھی بلاشبہ براہِ راست ظلم کا نشانہ بن رہا ہے۔جیسا کہ بلغاریہ میں مسلمانوں کو مسلمانوں جیسے نام ترک کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔روس اس لمحے تک مساجد کو بند کیے ہوئے ہے۔برطانیہ میں کوئی بھی عیسائی گروہ علیحدہ اسکول بنا سکتا ہے۔شمالی آئرلینڈ میں ناپسندیدہ کیتھولک لوگوں کو علیحدہ اسکول بنانے کی اجازت ہے۔لیکن مسلمانوں کا کوئی علیحدہ اسکول نہیں ہے۔اسی چیز سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کوئی بھی شخص عیسائیت پر مزید یقین نہیں رکھ سکتا اور عوام کا ملحد ہو جانا ایک حقیقت ہے۔عیسائی آزاد ہیں لیکن وہ اپنی آزادی کو کسی خاطر میں نہیں لاتے وہ مزید کوئی عیسائی معاشرہ تعمیر نہیں کرنا چاہتے ۔عیسائی ظلم کرتے ہیں ۔جب ان میں سے کوئی بھی شخص کسی چیز کو بدلنے کے لیے کوشش ہی نہیں کرنا چاہتا جو کہ اس قابل ہے کہ اس کے لیے کوشش کی جائے ۔عیسائیوں کے اسکول واقعی ہر حوالے سے لادین ہیں ۔ اسکے برعکس مسلمان واقعی کچھ کرنا چاہتے ہیں ۔آپ انھیں آزادی دیں وہ ایک مسلم معاشرہ تعمیر کریں گے ۔آپ اسکول ان کے حوالے کریں وہ اسکول ایک مثالی قسم کے مذہبی ماحول کے حامل ہوں ہوگے۔

لہذا یہ کہنا پچانوے فیصد درست ہے کہ موجودہ دنیا میں آج کل صرف مظلوم لوگ ہی مذہبی زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور انھیں مذہبی آدمی بننے سے روکا جاتا ہے۔آج کل مذہبی آزادی کا سیدھا سادہ مطلب اسلام کے لیے آزادی ہے ۔وہ لوگ جو واقعی اسلام پسند ہیں انھیں تمام ایسے لوگوں کے لیے جدوجہد کرنا چاہیے جو خدا کی عبادت پر یقین رکھتے ہیں کسی

حد تک تک میرے مسلمان ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ میں ایسے لوگوں میں رہنا چاہتا ہوں جو کھرے ایمان والے ہوں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کی عبادت اور روحانیت کو محبوب رکھتا ہے اسے اسلام کی مدد کرنی چاہیے۔قطع نظر اس کے کہ اس کا اپنا عقیدہ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص خدا کا منکر ہو اور مذہب کو فلسفیانہ سائنسی وجوہات کی بنا پر قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔لیکن یہ ممکن ہے کہ اسے اب بھی مذہب میں ان لوگوں کی وجہ سے کچھ وزن محسوس ہو جو اس کے شبہات میں شریک نہیں ہیں اسے اسلام کی تائید کرنی چاہیے۔ مذہبی آزادی کی قدر کرنے کا مطلب اسلام کی مدد ہے۔

میرا تجربہ ان حقیقی مذہبی قسم کے لوگوں کے حوالے سے ہے کہ نہ ہی صرف وہ درگزر کرنے والے ہوتے ہیں بلکہ وہ سچا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے عقائد سے بڑے مسرور بھی ہوتے ہیں۔امتیازی معاملات کے موازنے کا عمل کتنا ہی مسحور کن ہے دوسروں کا عقیدہ میرے عقیدے کی تائید کرتا ہے کہیں کہیں معمولی اختلاف ہے بلکہ بنیادی طور پر تو ایک ہی جیسے ہیں۔ یہاں تک کہ جزئیات میں بھی۔امام غزالیؒ جو رسول اللہ ﷺ کی امت کے عظیم فرد ہیں۔فرقہ پرستی کو لوگوں کی خود غرضی شمار کرتے ہیں کیونکہ فرقہ پرست لوگ خدائے تعالیٰ سے محبت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے آپ سے محبت کرتے ہیں۔ایک سچا ایمان رکھنے والا شخص خدا تعالیٰ سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ وہ صرف ایسی باتوں پر زور دیتا ہے جن میں وہ دوسرے لوگوں سے اتفاق رکھتا ہے نہ کہ ایسی باتوں پر اصرار کرتے ہیں

جن میں اسے دوسرے لوگوں سے اختلاف ہے ۔اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ مذہب کے معاملے میں جبر نہیں کیا جا سکتا ۔اسلامی فتوحات ان طاقتور پڑوسی ممالک کے مقابلے میں ذاتی دفاع کے طور پر تھیں جو یہ تہیہ کئے بیٹھے تھے کہ بہر صورت اسلام سے چھٹکارا حاصل کریں گے اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ تمام مذاہب اگر انھیں صحیح طور پر سمجھا جائے تو وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ اسلام، یہودیت کے پیغمبر مسلمانوں کے نزدیک بھی پیغمبر ہی ہیں اور تورات، زبور ان کے نزدیک مقدس کتابیں ہیں ۔مسیح علیہ السلام بھی اسلام کے پیغمبر ہیں ۔نیتجتاً مخلص مسلمان کسی بھی طرح دیگر مذاہب کے دشمن نہیں ہیں۔

انھیں وجوہات کی بنا پر میں محسوس کرتا ہوں کہ اسلام کی یہ قوت برداشت خود اسلام اور دیگر مذاہب کو بہت زیادہ تقویت دے گی اور اسلام کی مذہبی آزادی دنیا بھر میں مذہبی ماحول کو بہت زیادہ زرخیز بنا دے گی ۔ اتفاقاً اسلام کا شدت پسند عنصر بھی میدان میں نہیں ہے۔اسلام پھر بھی ہر مقام پر ابھر رہا ہے ۔اسلام کے خلاف جھوٹ اور نفرت کا نہ ختم ہونے والا سیلاب اب غیر مؤثر ہو چکا ہے یا پھر اس کے اثرات اس کے برعکس ہو گئے ہیں جبکہ میں یہ تمام جھوٹ پہلے ہی سن چکا ہوں ۔

ہمیں اسلام پر ڈھائے جانے والے ظلم کی اصل وجہ نہیں بھولنی چاہیے ۔ اسلام پر جو ظلم ہو رہا ہے کسی حد تک اس کا واحد مقصد لڑاؤ اور حکومت کرو ہے۔اسلام پر واقعی ظلم ہوا ہے۔کیونکہ یہ سراسر شہنشاہیت کا دشمن ہے۔ اسلام نسل پرستی، قوم پرستی، لالچ اور ایسی تمام چیزوں سے نفرت کرتا ہے جن کی شہنشائیت حمایت کرتی ہے ۔ عیسائیت کو بی بی سی پر ہر ہفتے

اس کے بالکل ہی برعکس مقاصد کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔تمام ظالم لوگ اسلام سے نفرت کرتے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے بے شک اسی وجہ سے میں نے اسلام قبول کیا۔

جدید دنیا کی ایک بڑی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ تمام ردِ عمل اسلام کا مخالف ہیں۔بربریت کے حوالے سے مغرب کی پوری تاریخ بھری ہے لیکن یہاں کچھ ایسے نظریات بھی ہیں جنھوں نے ظلم کے اس ڈراؤنے خواب کو انتہائی بھیانک حد تک پہنچا دیا ہے۔

ان نظریات کو عام طور پر فسطائیت یا نازیت کہا جاتا ہے ۔یہ فسطائی یا نازی ہمیشہ سے اسلام دشمن ہیں ۔یورپ کے اندرلی پن ،فرانس میں فسطائیت کی ایک نہایت کامیاب تحریک چلا رہا ہے۔لیکن وہ ایک ایسا اسلام دشمن ہے جونسل پرست کم اور فرقہ پرست زیادہ ہے۔اس کی نفرت کا ایسا نشانہ فرانس کی مسلمان آبادی ہے ۔اس کا خوف جو وہ بیان کرتا ہے یہ ہے کہ فرانس ایک مسلمان جمہوریہ بن جائے گا۔اس نے الجزائر کے خلاف لڑی جانے والی فرانسیسی جنگ میں ذاتی طور پر حصہ لیا اور لاکھوں مسلمانوں کو قتل کرایا ۔جرمنی میں نازی سب سے زیادہ نفرت ترکوں سے کرتے ہیں۔انھوں نے برلن میں انھیں خفیہ طور پر نشانہ بنایا۔برطانیہ میں نیشنل فرنٹ کی سب سے بدترین نسل پرستی کا نشانہ پاکستانی ہیں۔

مسلم دنیا میں نازیوں کے کچھ دوست بھی ہیں۔یہ واضح سی بات ہے کہ بہت ساری حکومتیں انھیں مدد دیتی ہیں ۔لیکن وہ حکومتیں اور ان کے عوام مسلمان نہیں ہیں۔وہ اسلام مخالف مغرب زدہ اعلیٰ طبقہ ہے۔جس نے

یورپ کی نسل پرستی اور فسطائیت کو قبول کیا ہے۔

مسلم دنیا میں سے کچھ ممالک مغرب کے آزدی پسند لوگوں کی طرح اس اسلام مخالف ردعمل میں شریک ہوجاتے ہیں۔تاریخی طور پر انتہا پسند فسطائیت نے خود کو ترقی پسند کے طور پر پیش کیا ہے۔یہود دشمنی بظاہر ایسی ہی ہے جیسی کہ سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت اور بیوقوف لوگ اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔اس طرح اسلام مخالف لوگ آزادی پسندوں اور بائیں بازو کے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام جاگیردارانہ قسم کا ظالم مذہب ہے۔

افغانستان کی وجہ سے بائیں بازو کے لوگ بھی اسی بات کی تکرار کرتے ہیں ۔لیکن یہ بیوقوفوں کا عقیدہ ہے ۔لی پن کے اسلام مخالف ہونے کی کئی وجوہات ہیں ۔ ہم سرمایہ داریت کا کردار پہلے ہی دیکھ چکے ہیں ۔لیکن کچھ اور بھی وجوہات ہیں۔ اسلامی خود اعتمادی سفید فاموں کی خود اعتمادی والا مذہب ہے ۔لیکن اس کی خوداعتمادی سفید فاموں کی خوداعتمادی سے بالکل مختلف ہے۔جس طرح اسلام فسطائیت کی مخالفت کرتا ہے کوئی دوسرا مذہب نہیں کرتا ۔مارکسی تحریک کی تاریخ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مارکسیت مظلوموں کا مذہب دوسرے نمبر پر ہے اور گوروں کا پہلے نمبر پر۔ الجزائر کے عوام کو فرانس کے زیر تسلط رکھنے کے لیے کمیونسٹ پارٹی کا کردار اس کے حوالے سے ایک ثبوت ہے۔

فسطائیت کے اسلام مخالف ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مغرب میں مسلمان آبادی معاشرے کا بالکل نچلا طبقہ ہے۔وہ بڑے ہی استحصال

شدہ اور پسے ہوئے ہیں۔لندن کے مشرقی کنارے پر بنگالی مٹھائی کی دوکانوں میں اتنی مزدوری پر کام کرتے ہیں جو نہ ہونے کے برابر ہے۔بیڈفورڈ، پیرس، مارسیلز میں مسلمانوں کی علیحدہ بستیاں ہیں جہاں انھیں عام شہریوں جیسے بنیادی حقوق بھی حاصل نہیں ہیں۔روس میں آزر بائیجان اور وسطی ایشیا کی دوسری ریاستوں کے مسلمان روس کے کسی بھی شہری طبقے سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ان مسلمانوں کو برطانیہ،فرانس اور روس وغیرہ میں کسی قسم کی آزادی حاصل نہیں ہے۔انھیں مکمل طور پر دہشت زدہ کر کے رکھا جاتا ہے۔انھیں برطانیہ اور فرانس میں رہتے ہوئے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ وہ خود کو گھر جیسے ماحول میں محسوس کریں بلکہ انھیں ہمیشہ مہاجرانہ کیفیت میں رکھا جاتا ہے ۔ روس میں انھیں اس خطے کی ثقافت اپنانے سے روکا جاتا ہے جس خطے میں وہ صدیوں سے رہ رہے ہیں۔ان مسلمانوں کے خلاف جو کہ مغربی معاشرے کا بالکل نچلا طبقہ ہیں وہی غیر منصفانہ عوام پسند قوانین اور عوامی تشدد روا رکھا جاتا ہے ۔جو کہ امریکہ میں سیاہ فام لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے ۔میں کتنی ہی مرتبہ جلائی جانے والی مساجد،مساجد میں پھینکے جانے والے خنزیروں کے سروں اور کوکلکس کلان کی وردی میں ملبوس لوگوں کا مساجد سے نماز پڑھ کر نکلنے والے لوگوں پر حملوں کا پڑھ چکا ہوں۔ہمارے ذمے کتنا اہم فرض ہے کہ ہم مسلمانوں اور اسلام کے حمایتی ہیں۔مغربی معاشرہ یہودیوں کے ہاتھوں قریب قریب تباہ ہونے کو ہے۔

اگر اسلام دشمنی کو پھلنے پھولنے کی اجازت دی جاتی ہے تو ہم

بطریقِ احسن ایک اسلام دشمن ہٹلر برسراقتدار پا سکتے ہیں اور آزادی پسند طبقہ اس بیہودگی میں شامل ہوکر ایک ایسی چھڑی تیار کررہا ہے جوکہ خود ان پر استعمال ہوگی اسلام دشمنی کی اجازت گویا احمقوں کی طبقاتی شناخت کرنا اور ساتھ ہی ساتھ انھیں آزادی بھی دینا ہے بالکل اسی طرح مغربی معاشرے کی صحت کے لیے یہ ظاہر کرنا لازم ہے۔کہ اسلام اچھا ہے اور ترقی پسند بھی۔نیز مغرب اور تیسری دنیا میں درگزر کرنیوالے رویے کا مستحق بھی۔

کیمونزم کی ناکامی کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور ہو سکتا ہے اسلام کے خلاف سرد جنگ شروع ہو جائے۔یہ چیز نئے دور کے امن اور خوشحالی کو نہ ختم ہونے والی ذہنی کشمکش اور جنگ کے اندیشوں سے برباد کردے گی۔اسلام کی آزادی واقعی دنیا کے لیے اشد ضروری ہے۔تاہم یہ ثابت کرنا نہایت آسان ہے کہ اسلام کی آزادی واقعی ترقی پسند ہے اور اس حوالے سے ترقی پسندی کہ ترقی پسندی کا جو مطلب مغرب میں لیا جاتا ہے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اسلام نسل پرستی اور شہنشائیت کے خلاف ہے۔ اسلام کے اور بے شمار مثبت پہلو ہیں۔

اسلام کو عام طور پر جاگیردارانہ نظام ہی کی ایک شکل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔مسلم ممالک میں بہت ساری حکومتیں بھی جاگیردارانہ نظام کی خصوصیات کی حامل ہیں لیکن اسلام اپنی روح کے حوالے سے جاگیردارانہ نظام کے بالکل برعکس ہے۔ان مسلم حکومتوں میں جاگیردارانہ خدوخال اس لیے ابھرے کہ اسلام ایسے معاشروں میں پھیلا جو کہ جاگیردارانہ تھے اور ان میں بیشمار جاگیردارانہ خصوصیات پائی جاتی تھیں لیکن جاگیردارانہ نظام

سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام میں کوئی جاگیردارانہ اشرافیہ نہیں ہوسکتی
کیونکہ اسلام اس تصور کو ہی رد کرتا ہے جو اشرافی نظام حکومت کی بنیاد ہے
اسلام میں تمام انسان برابر ہیں اور انسانوں کا تنہا مالک اللہ تعالیٰ ہے
انسان کی تمام تر وفاداریاں صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہیں کسی انسان اور اس
کی اولاد کے لیے زندگی بھر کی وفاداریاں گروی رکھنا انسانوں میں ایک چھوٹا
خدا تراشنے کے مترادف ہے۔ وفاداری صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے
اسلام میں نہ ہی پاپائیت ہے اور نہ ہی کوئی پوپ، راہب اور بادشاہ کے بغیر
قرون وسطیٰ کا جاگیردارانہ نظام کہاں ہوگا؟ قرون وسطیٰ کے یورپ کے تحت
گیر ریاستیں اور ذاتیں ہندومت سے مشابہت رکھتی ہیں نہ کہ اسلام سے۔

اسلام مکمل طور پر سرمایہ داریت کے خلاف ہے۔ اسلام میں سرمایہ
دارانہ نظام کی مخالفت بہت گہری ہے۔ سرمایہ داریت ایک منظم نفس پرستی
ہے۔ جس کی منزل اپنی ذات کو نفع پہنچانا ہے اور اس کی آخری حد مختلف
اقسام اور لامحدود مقدار میں مسرت کا حصول ہے۔ سرمایہ داریت کو تحریک
دینے والی چیز یعنی اس کا انجن منافع کی دوڑ ہے جو کہ ذاتی منفعت ہے۔
منافع کے حصول کے لیے دوسروں کا بڑے منظم انداز میں استحصال کیا جاتا
ہے تعلقات کے جال میں پھنسا کر ایک دوسرے پر قابو پانا ہے اور اسے
عالمی منڈی کا نام دیا جاتا ہے ساری کی ساری سرمایہ داریت کی سیاست خود
غرض ہونے کے باعث ذاتی حقوق کے گرد چکر کاٹتی ہے اپنے فائدے کے
لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک دوسروں کی بات ہے تو دوسروں
کو معاہدوں میں الجھانا پسند کیا جاتا ہے خودغرضی کا یہ لامحدود حق آزادی

کہلاتا ہے ۔آزادی خود غرض بننے اور منافع و مسرت کی تلاش کا ایک موقع ہے ۔ پورے کا پورا نظام تصور خود پرستی پر مشتمل ہے خواہ وہ تھیچرازم وجودیت ہو یا فنکاروں کے کھیل تماشے جن وہ اپنی قوتِ متخیلہ کا اظہار کرتے ہیں یا لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنی نمائش کرتے ہیں ۔

اسلام میں صرف خدا تعالیٰ کی پوجا کی جاتی ہے اور واحد کام جو آپ نہیں کر سکتے وہ خود پرستی ہے آپ کو اس بات کی تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنے نفس کی پیروی نہ کرو اور منافع و مسرت کے پیچھے نہ دوڑو ۔آپ کو دوسروں کے لیے نرم خو اور مہربان ہونا چاہیے اور کبھی بھی دوسروں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور آپ کے ہم رتبہ ہیں اس طرح پورا سرمایہ دارانہ نظام منہدم ہو جاتا ہے ۔ بہت ساری مسرتیں جو سرمایہ دارانہ نظام میں جائز ہیں اسلام میں ممنوع قرار دی گئی ہیں جیسے شراب نوشی اور جنس پرستی ۔اسلام میں سود حرام ہے ۔ اس کا عام طور پر ترجمہ سرمایہ پر منافع کیا جاتا ہے ۔لیکن استحصال کے حوالے سے اس کے بھی وسیع معانی ہیں اسلام بیروزگاری کو بھی ممنوع قرار دیتا ہے جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے مزدور کو خوف زدہ کر کے آجر کا فرماں بردار بناتے ہیں ۔

اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ تمام لوگوں پر کام کرنا فرض ہے اور وہ دوسروں کی کمائی پر پلنے والے امیر طبقے کو کراہت سے دیکھتا ہے ۔اسلام حرص کو ناپسند کرتا ہے اور ہر شخص کو اپنی خواہشات پر قابو پانے کا حکم دیتا ہے ۔اسلام غریبوں پر شفقت کی تعلیم دیتا ہے اسلام منڈیاں بنانے کی

اجازت دیتا ہے لیکن تجارت میں ہر قسم کے دھوکے کو ناجائز قرار دیتا ہے تاجر اپنی برائے فروخت اشیاء کی صحیح قدر بتائے اور اگر کوئی عیب دار چیز ہو تو اسے بے چون و چرا واپس لے ۔اسلام میں خودغرضی کو خداتعالیٰ کی رضا کے لیے اور اس دنیا کو مخلوق خدا کے لیے ایک موزوں بنانے کے لیے ترک کر دینا ہے۔

اسلام جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ایسی جائداد کو جائز تسلیم کرتا ہے جو اپنی محنت سے بنائی جائے ۔ایسے ہی اسلام تجارت اور بیوپار کی اجازت دیتا ہے لہٰذا اسلام کمیونزم نہیں ہے اسلام میں ریاست پرستی اور مزدور پرستی کی کوئی اہمیت نہیں ۔امت، مسجد اور مخلص مسلمان کمیونزم کے ان کلیدی عناصر کی جگہ لیتے ہیں ۔لیکن اسلام میں واقعی غریبوں کی محبت اور خدمتِ خلق ہے اور وہ عام طرح سادہ زندگی بسر کرنے اور سخت مشقت کرنے پر زر دیتا ہے ۔روس کا گولاش کمیونزم مسرت اور منافع کے لامحدود حد تک بلند معیار کی حرص کے حوالے سے اتنا ہی مختلف ہے جتنی کی منافع کے حصول کے لیے سرمایہ داروں کی کوششیں۔

مغرب جمہوریت کا بڑا واویلا کرتا ہے ۔جمہوریت آزادی کا لازمی وسیاسی جزو ہے ۔مغربی جمہوریت میں تمام خودغرض لوگ ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور اکثریت کا فیصلہ ماننے پر متفق ہو جاتے ہیں اسلام میں پہلے ہی جمہوریت ہے کیونکہ وہ ہمیں معاملات میں باہم مشورے سے طے کرنے کا حکم دیتا ہے ۔لیکن مغربی جمہوریت اجتماعی خودغرضی بن جاتی ہے یہاں لوگوں کے مشترک اقتدارِ اعلیٰ کی کوئی حد ہی نہیں کوئی بھی چیز جائز و

ناجائز قرار دی جا سکتی ہے اور یوں جمہوریت خود غرضی کا آلہ بن جاتی ہے مساوات کے تمام تر دعووں کے باوجود امیر ہی جمہوری حکم چلاتے ہیں۔ان امراء کا دولت، تعلیم، ہنرمندوں اور نشریاتی اداروں پر قبضہ ہے اور ان کی اقتصادی صورتِ حال انھیں کوئی بھی انتخاب جیتنے کے قابل بنا دیتی ہے یا وہ کسی منتخب حکومت پر قبضہ کر لیتے ہیں۔غریبوں اور استحصال شدہ لوگوں کے لیے مساوات کی باتیں کی جاتی ہیں۔لیکن یہ مساوات نظریاتی سطح پر یعنی نصاب کی کتابوں تک ہے نہ کہ عملی زندگی میں۔امیر و غریب استحصال کرنے والے اور استحصال شدہ فرد میں مساوات کیسے ہو سکتی ہے؟ جمہوریت ایک ایسا آلہ ہے جو آزادی کے نام پر نوازتا ہے اور خودغرضانہ منصوبے چند بے انتہا امیر اور طاقتور لوگوں کے لیے ہوتے ہیں۔

اسلام میں بہرطور حقیقی جمہوریت ہوتی ہے نہ کہ کاغذی حد تک۔ اسلام میں اس قسم کی اتنی بری عدمِ مساوات ہو ہی نہیں سکتی جو چند لوگوں کو اکثریت پر مسرت دے۔اسلام میں مشاورت کے دوران ہر شخص کی بات سنی جانی ضروری ہے نہ کہ صرف ان لوگوں کی جو نشریاتی اداروں پر قابض ہیں۔اسلام میں اس کی بھی حدود ہیں۔ کہ حکومت کیا کچھ کر سکتی ہے انسان پر فرض ہے کہ قانونِ خداوندی کے تابع ہو۔لہٰذا اسلام میں کسی کو بے روک ٹوک اقتدار اعلیٰ اور کسی چیز پر مکمل اختیار حاصل ہونے کا کوئی تصور نہیں۔خدا تعالیٰ کا قانون واضح اور معروف ہے اور اسے تبدیل بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام میں کلیت پسندی اور آمریت کو خواہ وہ منتخب ہو یا غیر منتخب

مکمل طور پر مسترد کرتا ہے۔نوعِ انسانی کی حقیقی آزادی اور عزت کی واحد ضمانت قانون خداوندی کی اطاعت میں عوام کے بہت بڑے طبقے کی قرآنِ پاک سے وابستگی اور قرآن مجید کو سیکھنے پڑھنے اور سمجھنے میں ہے جس چیز کی ضرورت ہے وہ عمدہ اوصاف کے حامل افراد کا طبقہ ہے جو کہ اسلام ہی دے سکتا ہے مغربی جمہوریت محض وعدے کرتی ہے۔مخلص اور دیندار لوگوں کی آبادی میں اکثریت ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو نجات کا باعث بن سکتی ہے۔اسلام مغربی آزادی کو حقیقی آزادی میں بدل دیتا ہے۔

عصرِ حاضر میں اسلام کا سیاسی اور اقتصادی نظام دنیا کے بہت سارے حصوں میں معرضِ وجود میں آرہا ہے لیکن ابھی تک بہت ساری ناکامیاں اور دشواریاں ہیں۔صرف اسلام ہی فتح مند ہوگا اگر صحیح طور پر اس کی روح کے مطابق زندگی گزاری جائے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اسلام میں سیاست اور معیشت ایک ایسے معاشرے کی داغ بیل ڈال سکتی ہے جو واقعی ظلم سے پاک ہو اور شفقت و نرم خوئی کی بنیاد پر استوار ہو، جہاں نہ نسل پرستی ہو نہ قوم پرستی، نہ مذہبی جبر ہو نہ معاشی استحصال اور نہ ہی منتخب یا غیر منتخب جابرانہ حکومت۔

اور یہ میری اسلام پسندی کی سیاسی وجہ ہے۔

اخلاقی وجوہات

میرے مسلمان ہونے کی چوتھی وجہ اخلاقی ہے کیونکہ وہ انداز پسند ہے جس کے مطابق اسلام ہمیں زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہے۔اور ہمارا طرزِ عمل ایسا ہی ہونا چاہیے۔میں پہلے ہی اسلامی ضابطہ اخلاق کی بہت ساری خوبیاں نسل پرستی کی مخالفت سے لے کر تاجروں کے طرزِ عمل تک گنوا چکا ہوں اس ضابطہ اخلاق نے مجھے ذاتی طور پر اسلام کی طرف راغب کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔کیمبرج میں مجھے بی اے کلاس تک کے طالبعلموں کا والدین کے ساتھ سلوک اور والدین کا ان طلباء کے ساتھ سلوک دیکھ کر سخت دھچکا پہنچا۔مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ قرآنِ پاک میں سے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والی آیات ترجمہ کرکے سنائی گئیں تو میں کتنا متاثر ہوا تھا' اسلام میں شراب کو ہر شکل میں حرام کیا جانا میرے لیے خصوصی دلچسپی کا باعث تھا۔ برطانیہ میں دس میں سے نو سماجی مسائل کی بنیاد شراب نوشی ہے۔

عصمت دری سے متعلق نوے فیصد جرائم کا ارتکاب شراب نوش افراد کرتے ہیں۔بہت ساری چوریاں شراب خریدنے کے لیے ہوتی ہیں۔ رات گئے ہونے والی توڑ پھوڑ شراب نوشی کا نتیجہ ہے برطانیہ کے ہسپتالوں میں ایک چوتھائی بستر ایسے بیمار لوگوں سے بھرے ہوئے ہیں جو کہ کثرتِ

شراب نوشی کے باعث بیمار ہیں ۔مگر شراب نوشی لی ایک اہم وجہ جو میرے علم میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ظلم سے تنگ آکر شراب پیتے ہیں ۔ بہت سارے لوگ اس لیے شراب پیتے ہیں کہ انھیں مقررہ وقت سے زائد کام کرنا پڑتا ہے ۔ بہت سارے لوگ بیروزگاری ،غیر معیاری رہائش اور کمزور صحت جیسی ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے شراب پیتے ہیں ۔کچھ تن آسان ظالموں نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ کام کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔محض وقت گزارنے کے لیے شراب نوشی کرتے ہیں ۔شراب تیار کرنے والی بھٹیوں میں بھی وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ شراب فروخت کرنے والے اور زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لیے ہو سکتا ہے۔لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگ جہالت اور بے مقصدیت کے باعث شراب پیتے ہیں ۔ کیونکہ ان کے پاس وقت گزارنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

شراب کو ایک ظالم اور غیر منصف معاشرے سے الگ نہیں رکھا جا سکتا اور جب اسلام اسے قطعی طور پر مسترد کرتا ہے تو وہ مظلوموں کے لیے ایک نرالا کام سرانجام دیتا ہے ۔غریب مسلمان اپنے پڑوسی غریب غیر مسلموں سے کہیں بہتر طور پر حالات کا مقابلہ کرتے ہیں ۔صرف اس لیے کہ وہ شراب نوشی سے پرہیز کرتے ہیں ۔ یہ چیز ان کی عظمت میں ایک اور اضافہ کرتی ہے ۔شراب نوشی کو مسترد کرنا ظلم کو مسترد کرنے کے مترادف ہے ۔

میں نظام اخلاق کی بہت ساری تفصیلات بیان کرسکتا ہوں ۔لیکن جس چیز نے خاص طور پر مجھے اسلام کی طرف متوجہ کیا وہ محض اخلاقی زندگی کی تفصیلات ہی نہیں بلکہ وہ اسلامی ضابطہ اخلاق کی مخصوص خوبیاں ہیں

ایک خوبی جسے میں خاص اہمیت دیتا ہوں وہ سنجیدگی ہے کہ جس کے حوالے سے زندگی کو دیکھا جاتا ہے بہت سارے لوگوں کے نزدیک زندگی ایک مذاق ہے اور اس قدر غیر اہم ہے کہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے ان کے نزدیک زندگی ایک طویل قہقہہ ہے جس کا مقصد مسلسل کھوکھلی تفریحات میں گھرا رہنا ہے کچھ لوگ شام ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر گزار لیتے ہیں جبکہ زیادہ بیوقوف لوگ فضول معلوماتی و آزمائشی کھیلوں ، طویل مزاحیہ ڈراموں ۔ ہیجان خیز ناٹکوں ،اور فٹ بال کے مقابلوں جیسی چیزیں دیکھ کر وقت گزارتے ہیں اور انھیں تفریحات کا نام دیتے ہیں تفریح کی اپنی ایک اہمیت ہے ۔اسلام کے بھی اپنے تہوار ہیں لیکن فضولیات کی یہ نہ ختم ہونے والی تلاش تفریح سے کوئی مختلف چیز ہے ظلم اور مصائب سے بھری ہوئی اس اصل دنیا کو بھلا دیا گیا ہے اور زندگی کی تکلیف دہ حقیقتوں کو فضولیات کی تہہ کے نیچے چھپا دیا گیا ہے۔

مغرب میں لوگوں کی کثیر تعداد دنیا میں موجود اسی (۸۰) کروڑ بھوکے انسانوں کو نظر انداز کر سکتی ہے کیونکہ وہ کھیلوں چھٹیوں اور پارٹیوں کے ایک نہ ختم ہونے والے دور میں ڈوبے ہوئے ہیں ۔ان کے نزدیک کسی انسان کا قتل یا اس جیسا کوئی اور سانحہ صرف حقیقی زندگی کی تفریح ہے ۔ وہ کتنے شوق سے فضائی آفات اور دنگا فساد سے بھرپور فلمیں دیکھتے ہیں ! یہ فضولیات اسلام سے مکمل طور پر مختلف ہیں ۔ کیونکہ اسلام میں زندگی ایک سنجیدگی ہی کا نام ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ مسلمان کو پورا دن دو طرح کے کاموں میں صرف کرنا چاہیے اور وہ کام ایسے ہیں جو موجودہ

زندگی اور آئندہ زندگی کے لیے اسباب فراہم کرتے ہیں ان کے علاوہ سب کچھ ممنوع ہے اسلام میں آپ کو ہر مقام پر اور ہر وقت اپنے خدا کو یاد رکھنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یومِ حساب کیسا ہوگا تو تم اس سے کہیں کم ہنسو جتنا کہ اب ہنستے ہو۔ مسلمان خوش باش رہنے والے لوگ ہیں۔ لیکن ان کی خوشی مکمل اور شعوری خوشی ہے۔ اسلام میں خوشی اور سنجیدگی ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ اسلام بتاتا ہے کہ کونسی خوراک کھانی چاہیے اور کون سی نہیں۔ لیکن سب سے اہم سبق یہ ہے کہ کھانا کھانا ایک سنجیدہ اور عبادت کا کام ہے ہم جب بھی کھانا کھانے بیٹھتے ہیں تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر چہ پہلے گھونٹ یا پہلے لقمے پر خدا تعالیٰ کا نام ہی کیوں نہ لیا جائے (یعنی فقط بسم اللہ ہی کیوں نہ پڑھا جائے) غذا کھیل نہیں ہے۔ بہت سارے لوگ اس چیز سے بے بہرہ ہیں۔ ہم کھانا کھانے کو ایک سنجیدہ عمل کے طور پر نہیں لیتے ہیں۔

اسلامی نظام اخلاق کی دوسری خوبی زندگی میں مسرتوں کو پرونا ہے۔ مسرت کے حوالے سے مختلف آراء ہیں کہ مسرت کیا ہے؟ کچھ لوگوں کے نزدیک مسرت فتح مند ہونے، امتحان میں پاس ہونے یا لوگوں کی نظروں میں اہمیت حاصل کرنے کا نام ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں کے نزدیک مسرت بہت زیادہ دولت مند ہونے کا نام ہے۔ آج کل مغرب میں مسرت حصولِ لذت، کھانے پینے، اور تفریحات کا نہ ختم ہونے والا دور اور بالخصوص جنسی سرگرمیاں ہیں۔ اسلام کے نزدیک ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز مسرت

نہیں ہے۔مسرت صرف ایک اخلاقی نیکی ہے اور نیکی قانون خداوندی کی اطاعت ہے ۔لیکن صرف نیک کام ہی آپ کو مسرت نہیں دے سکتا بلکہ اطاعت میں بھی مسرت ہے لہذٰا اخلاقیات محض سنجیدگی اختیار کرنا ہی نہیں بلکہ اس میں مسرت بھی ہے ۔مسلمان اس لیے خوش رہتے ہیں کہ وہ اچھے انسان بننے کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ لامحدود، فضول تفریح کی وجہ سے بلکہ خاص طور پر اسلام کے اچھے کام ایسے ہیں کہ وہ مظلوموں کو ترقی دیتے ہیں۔

زندگی کی اچھی مسرت غریبوں اور پسے ہوئے لوگوں کے ساتھ مکمل وابستگی ہے جو کہ اسلام کے نزدیک بھی اور میرے نزدیک بھی انتہائی اہم ہے ۔دوسرے ماہرینِ اخلاقیات کے ہاں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مظلوموں کے ساتھ حقیقی وابستگی نہیں ہے۔لیکن ان کے ہاں کچھ اخلاقی ضابطے ہیں جو اگرچہ اسلام سے مختلف ہیں لیکن مظلوموں کے ساتھ ویسے ہی وابستگی رکھتے ہیں ۔جب ہم ان نظاموں پر نظر ڈالتے ہیں تو اسلام کے نظام اخلاق کے مقابلے میں انھیں کافی زیادہ مختلف پاتے ہیں ۔ بیشک میرے ذہن میں مارکسیئت کا خیال آرہا ہے ۔عیسائیت سرمایہ دارانہ اورنسل پرستی سے اس قدر آلودہ ہے کہ کسی قسم کا تعلق رکھنے کے قابل نہیں رہی۔دائیں بازو کے بشپ چرچوں پر قابض ہیں اور غریبوں کوظلم برداشت کرنے اور اس کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ کرنے کا درس دیتے ہیں جبکہ مارکسیئت اس بات کا درس دیتی ہے کہ وہ کبھی اپنی غربت تسلیم نہ کریں ۔مارکسی نظامِ اخلاق کی بہت سی خوبیاں بھی ہیں جیسا کہ مارکسیت میں نسل پرستی ،ظالمانہ

طبقاتی قوم پرستی اور شہنشائیت کے خلاف ایک مکمل وابستگی ملتی ہے ۔طبقاتی جبر و استحصال کے خلاف بھی مارکسیت کا اعلانِ جنگ ہے ۔ایسے کمیونزم، کا نظریہ بھی بڑا متاثر کن ہے یہاں تک کہ کمیونزم مظلوموں کے لیے جان قربان کرنے کو بھی تیار دکھائی دیتا ہے۔لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ ناکام ہوگیا ہے۔

میری رائے میں اس ناکامی کا بنیادی سبب اسلام اور مارکسیت کا اخلاقیاتی اختلاف ہے اور یہ ایک بہت آسان سا مسئلہ ہے ۔کمیونسٹ معاشرہ اخلاقی اعتبار سے بڑا قابلِ تعریف ہے یہ مظلوموں کو براہِ راست فائدہ پہنچاتا ہے۔مثال کے طور پر بیروزگار ہونا غیر قانونی امر ہے لیکن میں مارکسی اخلاقیت کا اطاعت گزار بنوں گا اگر مجھے براہ راست فائدہ نہیں ملتا۔ایک شخص جو پرراحت زندگی گزار رہا ہے وہ مظلوموں کی خاطر لڑنے کا کیوں سوچے گا ؟ اگر میں مستقبل میں خوشحال زندگی گزار سکتا ہوں تو میں کیوں لڑونگا؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ کوئی شخص کسی مظلوم کے لیے کیوں لڑے؟ ہو سکتا ہے میں غربت کی زندگی گزار رہا ہوں اور وہ بھی ایک خوفناک غربت کی زندگی ۔ لیکن اگر زندگی کا انجام موت ہے تو کیا دائمی موت سے یہ بہتر نہیں کہ غلام کی طرح جی لیا جائے"؟ اور اگر میرا بہت معمولی حد تک بھی زندہ رہنا ناقابلِ قبول ہو تو پھر دوسرے لوگوں کے لیے جو کہ غریب ہیں مرنا حماقت ہے (اگر موت ہی زندگی کا انجام ہے) کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی آسان متبادل پر رضامندی ظاہر کردی جائے جیسا کہ لوگ اصلاح پسند بن جاتے ہیں اور کوئی عمدہ سا آرام دہ منصب حاصل

کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر ظالموں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔

اور عشق سے غداری کے عوض میں ایک خوش کن زندگی بسر کرتے ہیں اور اگر کمیونزم واقعی فتح مند ہو جائے تو فتح کو خود غرضانہ فائدے میں بدل دیتے ہیں پھر باوجود ایک سرگرم انقلابی کارکن ہونے کے کسی اچھے عہدے پر پہنچ کر ایک خوش خوراک بیوروکریٹ بن جاتے ہیں اور آخرکار ایک عام سرمایہ دار کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مختصراً کمیونزم میں بظاہر لوگ غریبوں کی خاطر مرنے پر تیار ہیں۔ لیکن ایک منکرِ خدا کسی غریب کے لیے کیسے مر سکتا ہے؟ مارکسئیت کو گالی دینے کے لیے عام طور پر یہی کہا جاتا تھا کہ یہ ایک مذہب ہے وہ سوچتے تھے کہ یہ عملاً مظلوموں کی مدد کا سچا خواہش مند ہو ہی نہیں سکتا۔

مارکسئیت کا مسئلہ یہ تھا کہ اگر چہ وہ مذہب تھی مگر مکمل مذہب نہیں تھی۔ مارکس نے سوچا مذہب سرمایہ دارانہ نظام کا حامی ہے لہٰذا سرمایہ داریت کا مقابلہ کرنے کے لیے خدا کا منکر ہونا ضروری ہے۔ مارکس بلاشبہ درست تھا کیونکہ اس کا جس مذہب سے واسطہ پڑا تھا وہ عیسائیت تھا مگر مشکل یہ تھی کہ ظلم کے خلاف کوئی بھی ایسی کوشش حقیقی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتی تھی جس کے پیچھے مذہب ابتدائی دور کے مارکسیوں نے بغیر کسی لیت ولعل کے بوقت ضرورت غریبوں کے لیے جان قربان کرنے والی وابستگی کو برقرار رکھا۔ لیکن جونہی لینن، ماؤزے تنگ، اسٹالن گئے تو مارکسی زوال کا شکار ہو گئے۔ لیکن نظریے میں موجود کوئی بھی شے اسے تباہی سے نکال کر واپس نہ لے جا سکی۔

سرمایہ داروں کی طرح کیمونسٹ بھی جلد ہی محض مسرت کے خود غرض شکاری بن کر رہ گئے ۔وہ امریکی طرزِ بودوباش سے مسحور ہوگئے ہیں ان میں سادہ زندگی اور سخت مشقت زیادہ دیر نہیں چل سکی ۔یوں کیمونزم صرف اپنے حامیوں کی قلت کے باعث تباہ ہوگیا اور پرانے نعرے بری حد تک باضابطہ منافقت بن گئے ۔اب جس چیز کی ضرورت ہے وہ مظلوم طبقے کے ساتھ ایسی پختہ وابستگی ہو جو موت کے منہ میں بھی کمزور نہ پڑے اور ایک سچے عقیدے کی ضرورت ہے جو غریبوں کی خاطر موت قبول کرنے کا جواز فراہم کرے۔

اسلام کے پاس ایسا ہی عقیدہ ہے خداتعالیٰ انسان کو ایک ایسی جنت کے قیام کا حکم دیگا جو ظلم سے خالی ہو کوئی بھی ایسا شخص جس نے اسلام قبول کیا ہو اسے ایک لمحے کے لیے بھی خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔کہ وہ ظالموں کے خلاف جدوجہد میں دکھ اور مصیبتیں یا موت قبول کر کے کچھ کھو رہا ہے۔مسلمان بلاشبہ پہلے ہی ہمت ہار چکے ہیں اور بعض ذاتی اغراض کے لئے وہ بدعنوان اور خودغرض بن جاتے ہیں اسلام کی تاریخ اس قسم کی ناکامیاں بھی موجود ہیں ۔لیکن یہاں توجہ طلب نکتہ لفظ ''تسلسل'' ہے اسلام میں اتنی اخلاقی توانائی موجود ہے کہ جب کوئی پشت بدعنوان ہوجائے تو اسلام کے اندر ہی مظلوم لوگوں کی مدد کے لیے ایک لہر اٹھتی ہے جو انھیں دوبارہ زندہ کردیتی ہے۔

اسلامی ضابطہ اخلاق میں یہ ایک ایسا عنصر ہے جس سے مارکسیت خالی ہے اسلامی نظامِ اخلاق نہ صرف مظلوموں کے لیے قابلِ تعریف اور

سود مند ہے، بلکہ اسلام میں ہر شخص کے لیے اطاعت کی ایک حقیقی وجہ ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کتنا ہی امیر یا مراعات یافتہ ہو اور یہی ایک بنیادی اختلاف ہے ۔ایک بڑی پر لطف بات یہ کہ کیمبرج میں مارکسیوں سے میرے ابتدائی سوالات میں ایک سوال یہ بھی ہوتا تھا۔اگر موت انسان کا اختتام ہے تو پھر جدوجہد کا جواز کیسے فراہم کیا جا سکتا ہے؟اور یہی سوال مارکسیت کی ناکامی کی بنیاد بنا ۔اسلام میں روز قیامت پر پختہ یقین کسی بھی مظلوم کی حقیقی مدد کے خواہش مند فرد کے لیے اسلام کو مطلقاً صحیح عقیدہ بنا دیتا ہے ۔

اسلام کی روزِ حساب سے وابستگی دوسرے مذاہب سے بالکل انوکھی ہے ۔قرآن وضاحت کرتا ہے کہ دوسرے مذاہب اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ روزِ حساب ان پر واقع نہ ہوگا ۔قرآن یہودیوں کو حساب کتاب سے مستثنیٰ قرار دینے والے یہودیت کے تصور اور جناب مسیح علیہ السلام کا عیسائیوں کو اس دن کی خوفناکیوں کو محفوظ رکھنے والے نظریے کی نشاندہی کرتا ہے ۔مارکسیت ہی ایک ایسا فلسفہ ہے جو اس مقام پر ناکام ہوتا ہے اسلامی نظامِ اخلاق ایک اور حوالے سے بھی مارکسیت سے مختلف ہے ۔ مارکسیت عمدہ اصولوں کی حامل ہے لیکن یہ مسائل کو موٹے موٹے اصولوں تک رہنے دیتی ہے اور ان کی تفصیلات میں نہیں جاتی ۔عیسائیت کے بارے میں بھی یہی کہنا صحیح ہے ۔ہمیں صرف حکم دیا جاتا ہے کہ محبت کرنے والے بنو ۔لیکن زندگی تفصیلات پر مشتمل ہے ۔ہم اپنا زیادہ تر وقت کھانے،دھونے، پہننے،سونے، چلنے پھرنے اور دوستوں سے ملنے جلنے جیسے

چھوٹے چھوٹے کاموں میں گزارتے ہیں ۔اسلام کے اپنے عمومی اصول ہیں اور وہ اصول ہماری روزمرہ زندگی میں مفصل ضابطے کی صورت میں اپنائے جاتے ہیں اس حوالے سے اسلام یہودیت کی ایک مخصوص قسم کے مشابہ ہے اس مفصل ضابطے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی سیاست اور اخلاقیات کو زندگی کی ان چھوٹی چھوٹی سرگرمیوں میں بھی جاری رکھ سکتے ہیں ۔جن پر زندگی انحصار کرتی ہے لہٰذا ہم مکمل اخلاقیات اور سیاست کی زندگی بسر کرتے ہیں ۔چند مثالیں وضاحت کے لیے کافی ہونگی۔

تمام مسلمان بھائی ہیں ۔لہٰذا وہ جب بھی آپس میں ملتے ہیں تو السلام علیکم کہنا ان پر فرض ہے ۔کسی بھی مسلمان میں تکبر اور خود کو دوسرے سے بہتر شمار کرنے والے احساسات نہیں ہوتے۔انسان سے واحد برتر خدا ہے نہ کہ کوئی انسان ۔لہٰذا آپ جب بھی چلیں تو آپ کو چاہیے کہ تکبرانہ انداز سے نہ چلیں ،آپ کا لباس خوبصورت ہونا چاہیے۔لیکن سادہ جب آپ بیٹھیں تو براہ راست فرش پر بیٹھیں جس طرح خدا کے بندے کو زیب دیتا ہے مسلمان ہر وقت اپنے خدا کو یاد کرتا ہے ۔لہٰذا جب بھی کوئی کام کرو تو خدا تعالیٰ کا نام لو ۔مسلمان خود کو رسول کریم ﷺ کے اسوہ میں ڈھالتا ہے لہٰذا اس کے پاس چلتے وقت چھڑی ہونی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتی تھی ۔جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو آپ پر فرض ہے کہ اپنا رخ مکہ مکرّمہ کی طرف کریں اور ایسے ہی سوتے وقت اور دفن کے وقت، جب آپ چلتے ہیں تو آپ کو اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرنا چاہیے۔یہ تفصیلات اضافی معلوم ہوتی ہیں ۔لیکن یہ جدید زندگی کے مسائل

کا حل ہیں ۔ پچھلے تیس سال سے عام آدمی کی ثقافت کو تباہ کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی گئی ہے ۔ آداب رسوم ختم ہو گئے ہیں اور نہ ہی بچوں کو یہ چیزیں سکھائی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کہ بچے بس میں سوار کھڑی خاتون کے لیے سیٹ نہیں چھوڑتے ۔ بے نقاب ہونا حسن کی ادا بن گیا ہے ۔ خوشحال لوگ بنجاروں کی طرح ٹی شرٹ اور میلی کچیلی جینز پہنتے ہیں ۔ ثقافت کی تباہی کا بڑا سبب فرائڈ کے پیروکاروں کی ۱۹۶۰ء میں ثقافت کے خلاف مہم ہے ۔ ان کے عقیدے کے مطابق ثقافت تحت الشعوری تحریکات کے فطری اظہار میں رکاوٹ ہے لہٰذا ثقافت کو تباہ کرنا اور بے روک ٹوک حیوانیت کو رائج کرنا ضروری ہے نتیجے کے طور پر آرٹ اور ثقافت کے رہنما کم فہم اور برہم مزاج قبائلی بن گئے ہیں رُشدی اسی فنکارانہ فلسفے کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور گمراہ ہو گیا تھا ۔ ثقافت کی تباہی کی تحریک اس حد تک آگے چلی گئی ہے کہ زندگی کی تمام عمدگی دم توڑ گئی ہے ۔ ہر شخص گندی اور غلیظ جگہوں میں چلتا ہے آس پاس کے گزرتے لوگوں نے جوگیوں جیسا لباس پہنا ہوا ہے، لوگ نا صرف گھروں میں رہتے ہیں اور کبھی کوئی محبت بھرا یا خیر مقدمی لفظ سننے کو نہیں ملتا ۔

اسلام زندگی کو ثقافت سے آراستہ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ پیش کرتا ہے ثقافت کے خلاف بغاوت کی بڑی وجہ ثقافت کے بڑے حصے کے ظاہر نہ ہونے کا وقوف تھا ۔ میں نے کیمبرج میں جو ثقافت دیکھی اس میں گھٹیا قسم کی خودنمائی اور شعوری مفاد پرستی شامل تھی اور لوگ زندہ رہنے کے لیے جان بوجھ کر بہروپیے بنے ہوئے تھے خاص طور پر ناگوار چیز شراب

نوشی کے متعلق ڈھینگیں مارنا کہ یہ شراب فلاں ملک اور فلاں سال کی ہے۔ایسی ثقافت کو مسترد کرنا ایک قدم آگے بڑھنے کے مترادف ہے کیونکہ یہ قبائلی ثقافت ہے۔لیکن اسلام مظلوموں سے مکمل وابستگی کی بنیاد پر ثقافت کی بحالی کی پیشکش کرتا ہے جس طرح اسلام زندگی گزارنے کی پیش کش کرتا ہے وہ زندگی کے بلند ترین اصول ہیں اور مفصل انداز میں موجود ہیں ۔

ثقافت کی یہ تباہی بہت بڑے مسئلے کا حصہ ہے انیسویں صدی میں فلسفیوں نے کہا کہ خدا مر گیا ہے ۔بیسویں صدی کے فلسفی کہتے ہیں کہ انسان مر چکا ہے ۔مغربی فکر کا مرکزی تصور ایک خاص فرد ہے ۔پورا معاشرہ اس فرد کی راہ ہموار کرنے کے لیے قربان کردیا گیا ۔وہ فرد نفس ہے عہد احیاء اور اس کے بعد کا سب سے بڑا کارنامہ لیناردو اور بیتھون جیسے عظیم افراد تھے لیکن پھر یہ خواب بھی چکنا چور ہوگیا۔مکمل طور پر خودغرض معاشرہ فرد کو تباہ کرنے سے ہی ختم ہوتا ہے موجودہ دور کی مخصوص ذہنیت رکھنے والا شخص ریاست اور نشریاتی چھوٹے ،خود غرض ، عریانی اور فحاشی بڑھانے والے اداروں کے ہاتھوں ایک کھلونا بنا ہوا ہے۔وہ روح سے محروم محض انسانی تنظیم رکھنے والا انسان ہے ۔سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم ایک فرد کی بجائے محض صارف بن جاتے ہیں ہم مقلدانہ ذہنیت رکھتے ہیں اس مرحلے پر دیانت،اجتماعی اصول ،شرم،اور ضمیر مکمل طور پر تباہ ہوجاتے ہیں ۔حیات فضولیات کے نہ ختم ہونے والے دور میں سسک رہی ہوتی ہے ۔موجودہ زندگی اتنی بیہودہ ہے جتنی کہ ظالم کا ظلم،اب اچھے افراد باقی نہیں رہے اور ملتے نہیں اور مغربی معاشرے کے نفاذ اتنے ہی برے ہیں جتنا کہ

معاشرہ۔ ان کے یہاں شعور کی قلت اور مقلدانہ ذہنیت کی کثرت ہے۔ ہر شخص عوام کی تنگ نظر رائے کے ظلم کی توثیق کر رہا ہے۔اس قسم کی زندگی قطعی طور پر بے مقصد ہے انسانی عظمت کا معیار، تشہیری حربے اور بیمارانہ حد تک مقبول اخبار قرار پاتے ہیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ جدید زندگی ہے ہی مکمل لاقانونیت ،اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف لوگ بڑوے ہیں یا ان کے معیار گھٹیا ہیں بلکہ اس سے بھی بڑی چیز یہ ہے کہ وہاں انارکی پائی جاتی ہے انسانی زندگی کی تباہی ثقافت کی تباہی کی حدوں سے بھی آگے جاتی ہے اور مہذب معاشرہ وحشیوں سے بھر جاتا ہے۔

اگر لوگ کسی چیز کو پوجتے ہیں تو وہ طاقت ہے تمام مسائل سے بڑا مسئلہ اور اہم جیت انتخابات میں ہے صرف یہ جیت ہی عزت شمار کی جاتی ہے محض جیتنے کے لیے ہر قانون توڑا جاتا ہے خواہ وہ انسان کا ہو یا خدا کا۔ یہی چیز مجھے موجودہ زندگی کی کلید تک لائی ہے۔حیات بعد موت کے نظریے کو تباہ کرنے والی صرف مارکسئیت ہی نہیں تھی پورے کے پورے مغرب میں عہدِ جدید کا جیسا کہ جارج آرویل نے لکھا ہے۔سب سے بڑا واقعہ قبروں کے بعد کی زندگی کے عقیدے پر سے ایمان کا اٹھ جانا ہے۔

مثال کے طور پر آج کل دوزخ کے عذاب کے متعلق مزاحیہ کارٹون دیکھنا عام سی بات ہے۔ایک لمحے کے لیے سوچئے کہ ایسا مذاق تو صرف وہی شخص ہی کر سکتا ہے جو حیات بعد موت پر یقین نہیں رکھتا۔موت کو زندگی کا اختتام قرار دینے والے عقیدے نے کئی طرح کے ردعمل ظاہر کئے ہیں جو سب کے سب موجودہ انسان کی زندگی میں بے چینی کا سبب ہیں۔اگر موت

زندگی کا اختتام ہے تو پھر زندگی واضح اور قطعی طور پر بے مقصد ہے اس لیے اس کا ایک ردِ عمل زندگی کو فضول بنانا اور زندگی کے بے مقصد ہونے کے احساس کو مسخروں کے کرتب دیکھ کر قتل کرنا ہے دوسرا ردعمل محض اس احساس کو بھلا دینے کی کوشش ہے اور وہ جیتے ہوئے موت حاصل کرتا ہے جو کہ شراب اور دیگر نشہ آور ادویات سے حاصل ہوتی ہے اور تیسرا ردعمل زندگی کو لذت کی تلاش قرار دینا ہے اور خاص طور پر جنسی لذت۔

چوتھا ردعمل یہ تھا کہ زندگی کو ایک ظالمانہ مذاق تصور کرلیا جائے۔ انسان پیدائشی طور پر ظلم اور بدبختی کا شکار ہے یہ شوپن ہار کا نظریہ ہے، زندگی ایک ناقابل تلافی المیہ ہے۔ انسان کو بے مقصد پیدا کیا گیا ہے اور اسے دھوکہ ہوگیا ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد ہے۔ وہ جتنی زیادہ کوشش کرتا ہے زندگی اتنی ہی زیادہ بے مقصد ہو جاتی ہے ہماری تمام تر کوششوں کی حیثیت ایک تحقیر آمیز تبسم ہے۔ شوپن ہار کے فلسفے سے دو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ نوع انسانی میں زندگی کی رمق کو پھیکا پڑ جانا چاہیے۔ یہ رویہ انسان کو بدھ مت تک پہنچاتا ہے کہ دکھ دائمی ہے اور کبھی ختم نہیں ہو سکتا غریبوں اور مظلوموں کی کوئی مدد نہیں کی جاسکتی۔ غریب ہمیشہ سے ہمارے ساتھ ہیں اور اس دکھ کا سبب ایک بہتر دنیا کے قیام، مسرت کے حصول اور دوام کی تلاش کے لیے کوشش کرنا ہے اس لیے اس کا حل دنیا کو ترک کر دینے میں ہے اپنے جذبات، تفکرات، اور خواہشات کو ترک کردو اور یہ سب کچھ نفی ذات اور بدھ مراقبوں سے کیا جائے دنیا اس لئے نہیں ہے کہ اسے بدلا جائے بلکہ اسے ترک کیا جائے۔ بدھ مت کے یہ نظریات بہت

مقبول ہیں۔ یہ مسرت اور نشے کی تلاش کی طرف مائل کرتے ہیں کیونکہ یہ اس نقطے پر متفق ہیں کہ مظلوموں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے ۔ان کے نزدیک مارکسیوں کا غریبوں کے لیے مدد کی کوشش کرنا ایک مغالطہ ہے ۔ اس لئے کہ موت زندگی کا اختتام ہے اس فلسفے کا دوسرا مطلب وہ ہے جو ہٹلر نے اخذ کیا کہ اگر زندگی بے مقصد اور ظالمانہ مذاق بنتی ہے اس نے تباہی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن اپنے تباہ ہو جانے سے پہلے اس ظلم کے خلاف احتجاج کرو اس احتجاج میں پوری دنیا کو تباہ کر دو۔

موت کو زندگی کا اختتام قرار دینے والے نظریے کا پانچواں ردعمل وہ تدبیریں ہیں جنکا مقصد دائمی زندگی کا حصول ہے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تین سو سال تک زندہ رہنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس خواہش کے حصول کے لیے طرح طرح کی ادویات ،غذائیں اور ورزشیں کرتے ہیں لیکن عام طور پر وہ پچاس سال میں اچانک مرجاتے ہیں ۔امریکی تجہیز تکفین ایک صنعت بن چکی ہے تابوت میں مردے کے لیے ویڈیو اور آڈیو نصب ہوتے ہیں ۔لیکن یہ تدبیریں عام طور پر موت کے خوف کو شدید تر کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتیں۔

چھٹا ردعمل وہ ہے جس کا تجزیہ آورویل نے کیا ہے وہ یہ کہ طاقت کی عبادت کی جائے اگر موت اختتام زندگی ہے تو پھر اپنی شناخت اپنی ذات سے باہر کسی گروہ کے حوالے سے کرائی جائے ۔مثلاً سفید فام نسل، پرولتاری، روسی ،صیہونیت ،برطانوی کیتھولک چرچ ، خواتین، یا اپنی قوم وغیرہ یہ بھاری بھرکم گروہ آپ کی موت کو زندہ رکھے گا آپ اپنے آپ

کو اس میں مکمل طور پر گم کردو پھر تمہیں دوام حاصل ہو جائے گا ۔ کیونکہ جب تم مرجاؤ گے تو یہ گروہ جس میں تم مکمل طور پر مدغم ہو چکے تھے تم کو زندہ رکھے گا۔گروہ پرستی کی اس شدید خواہش کا اصل راز یہی ہے جس کے لیے اتنا کچھ کیا جاتا ہے ۔چونکہ گروہ دائمی زندگی کا ٹکٹ ہے لہٰذا اس ٹکٹ کے حصول کے لیے ہر وقت اس گروہ کے مفادات کو پروان چڑھانا ضروری ہے اور ہر قیمت پر اس کے مفادات کا تحفظ کرنا لازم ہے ۔اسے ہر گھڑی اور ہر حال میں اس کے موافق حال مکمل انصاف ملنا چاہیے ۔ یہ نسل پرست ، یہ قوم پرست ،انتہا پسند یا اس قسم کے دوسرے لوگ درحقیقت اپنی موت کے خوف کی تاریکی میں رہ رہے ہیں ۔طاقت کی پرستش ساتویں ردعمل میں بھی شامل ہے اگر خدا موجود نہیں تو پھر ہر جرم کا جواز موجود ہے بلکہ اس سے بھی اہم چیز یہ ہے کہ آپ جتنے زیادہ جرائم کر سکتے ہیں اتنا زیادہ بہتر ہے ۔ حقیقی کامیابی دوسروں پر غالب آنا ہے یعنی مظلوموں پر غالب آنا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے پاس طاقت ہو تو پھر آپ کو دوسروں کو دکھ پہنچانا ہوگا ۔ یہ نسل پرست جب ظلم کرتے ہیں تو وہ اپنے گروہ کی پرستش کرتے ہیں اور کامیاب ظلم سچا دوام بن جاتا ہے موت اختتام زندگی والے نظریے کا آخری ردعمل انسانی زندگی اور موت کو سستا اور فضول بنا دیتا ہے اب زندگی کا مقصد خودغرضانہ مسرت ہے اکثر لوگوں کا مرنا خوشی کے لیے ضروری ہے تو مر جائیں اس کی ایک نمایاں مثال اسقاط حمل ہے ایک معصوم بچے کی جان لینا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا بڑا خوفناک فعل ہے لیکن اس کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ بچہ تکلیف دہ ثابت ہوگا اور زندگی کو ناگوار بنادے گا اور یوں ایک

ناپیدی شدہ بچے کا قتل انیمیا کی طرح بالکل معمولی سا ناپسندیدہ آپریشن بن جاتا ہے۔

اس ساری صورتِ حال کا بالکل واضح سبب موت اختتام زندگی والا عقیدہ ہے جو عمل انگیز کے طور پر عمل کرتا ہے اور خاص طور پر مظلوموں کے لیے انسان کی موت کی ایک بڑی وجہ عقیدہ ہے اسلام کے پاس اسکا حل ہے یہ ایسا مذہب ہے جس پر لوگ واقعی یقین رکھتے ہیں اسلام کہتا ہے کہ روز حساب اور جنت مطلقاً حقیقی ہیں نقطہ نہایت آسان ہے۔ یہ موت اختتام زندگی والا عقیدہ چند سال تک مزید رہا تو انسان مکمل طور پر ختم ہو جائے گا۔ یہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے۔ اسلامی نظام اخلاق نوعِ انسانی کی بقا کے لیے انتہائی اہم ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ موت کی وجہ سے زندگی کو بے مقصد خیال کرنے، محض لذتوں کے پیچھے دوڑنے، بدھ مت میں داخل ہونے یا ہٹلر کا ہم خیال بننے یا پھر طاقتور بننے اور ظلم کرنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے چونکہ تمہیں مرنا ہے اس لیے زندگی کو سنجیدگی سے لو، محتاط اور ہوشیار رہو، مہربان اور باحیا بن جاؤ۔ بیسویں صدی میں انسان کو مرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ میرے اسلام منتخب کرنے کی اخلاقی وجہ ہے۔

تنہا اسلام ہی رہ جائے گا

میرے مسلمان ہونے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ میدان عمل میں صرف اسلام ہی رہ جاتا ہے کیونکہ باقی سب مذاہب اور نظام ہائے حیات ناکام ہو چکے ہیں ۔باقی تمام عقیدے اور طرز ہائے حیات ایک مفروضے یا جھوٹ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ۔تمام نظریوں کا تباہ ہوجانا جدید انسان کے بحران کا سبب ہے انسان نہ صرف مردہ ہو چکا ہے بلکہ وہ پرانے عقیدوں کے کھنڈرات میں بھٹک گیا ہے جس کا نتیجہ ایک سنگین روحانی بحران ہے ۔میرا ایمان ہے کہ صرف اسلام کے پاس ہی اس بحران سے نکلنے کا راستہ ہے ۔خدا تعالٰی کے علاوہ تمام دیوتا ناکام ہو چکے ہیں میں نے مارکسیت پر بہت سارے تبصرے کیے ہیں لیکن ان تبصروں کا مدعا مارکسیت میں کوئی بحران پیدا کرنا نہیں ۔روس اور مشرقی یورپ میں جو واقعات منظر عام پر آئے ہیں انھوں نے مارکسیت کو بطور طرزِ حیات کے ختم کر دیا ہے۔لاکھوں لوگ جانتے ہیں کہ اب دوبارہ مارکسیت کو تعمیر نہیں کیا جا سکتا ۔

لیکن صرف انقلابی اشتراکیت ہی موت کے گھاٹ نہیں اتری بلکہ تحریکِ اصلاح بھی دم توڑ چکی ہے۔سرمایہ داریت پر مبنی ایک زیادہ منصفانہ معاشرے کی تعمیر کا نظریہ ۱۹۸۰ء میں مشہور گیا تھا ۔کینس کے نظریات اداروں کا قومیانہ اور فلاحی ریاست سب کے سب رخصت ہونے کو ہیں ۔

سرمایہ داریت کی اصلاح ناممکن ہے۔ نہ ہی صرف اشتراکیت ناکام ہوئی ہے بلکہ مزدور طبقہ بھی ناکام ہوگیا ہے اور یہ نظریہ کہ صنعتی پرولتاری طبقہ ایک بہتر دنیا تعمیر کرے گا لائق تضحیک ہے یہ لوگ بھی زیادہ دیر تک دنیا کی امیدوں کا مرکز نہیں رہیں گے بلکہ وہ بھی مکمل طور پر سرمایہ دارانہ نظام کے جال میں پھنسے ہوئے دکھائی دیتے ہیں آزادی دلانے والا طبقہ جو اخبار ''سن'' کا مطالعہ کرتا ہے نسل پرست ہے اور قرض پر تعمیر کردہ اپنے گھروں کی شرح سود پر پریشان ہے۔ امریکی مزدور طبقے کی طرح یورپی مزدور بھی ظالمانہ نظام کا ستون ہے۔ لہٰذا یہ لوگ مسائل کا حل نہیں بلکہ خود مسئلہ ہیں مستقبل کی ایک بہت بڑی امید سائنس اور ٹیکنالوجی تھی۔ مذہب حکومت اور عوام کی نظر سے غائب ہو چکا تھا۔ کیونکہ مذہب ایک اعلیٰ ٹیکنیکل معاشرے کے راستے میں رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ برٹرینڈ رسل اور وٹگنسٹائن جیسے فلسفیوں نے دلائل دیے کہ مذہبی اور فلسفیانہ مسائل کو ترک کر کے بھی کام چلایا جا سکتا ہے وٹگنسٹائن کے نزدیک تو یہ مسائل محض لفظی گورکھ دھندے تھے اور خدائی نظام جیسی اصطلاح محض ایک لسانی عقدہ ہے۔ سائنس کی پرستش کا فلسفیانہ نتیجہ ایک گہری افسردگی کی صورت میں سامنے آیا رسل کے نزدیک مکمل مایوسی کو ہی سوچ کی بنیاد بننا ہے۔ ان دنوں سائنس کو باوجود جو شدید غم انگیز ہونے کے خدا کا درجہ دیا جاتا بھی ایک مکمل عمل انگیز کی حیثیت رکھتا ہے۔ سائنس کی وجہ سے حقیقت کی تلاش طاقت کی تلاش میں بدل گئی ہے۔ لیکن اب طاقت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ پوری دنیا کو بڑی آسانی کے ساتھ ایک دھماکے سے یا پھر آلودگی سے تباہ کیا جا سکتا ہے

۔سائنس کے کرشمے غیر پیدا شدہ بچوں پر نازیوں کی طرز کے خوفناک تجربوں میں بدل گئے ہیں ۔ سائنس مفید ہوسکتی ہے لیکن فلسفہ حیات کے طور پر وہ مردہ ہوچکی ہے ۔میں پہلے ہی دوسرے مذاہب کی ناکامی کا تذکرہ کرچکا ہوں ۔لیکن انکے بطور طرزِ حیات ناکام ہونے پر ضرور زور دیا جانا چاہیے۔عیسائیت نے سوائے ناانصافی کی حمایت کے اس حقیقی دنیا پر کوئی اثر مرتب نہیں کیا ۔عیسائیت کے دائیں بازو کے حامی لوگ ایسی ہی موت مر چکے ہیں جیسا کہ بائیں بازو کے دوسرے لوگ ۔یہودیت بطور طرزِ حیات ابھی موجود ہے ۔لیکن مجموعی طور پر اسرائیل انتہائی مظالم،دہشت گردی اور ایسے ہی مقدر یہودیت کے نام لکھ دیئے گئے ہیں ۔کیا کوئی شخص یہودیت کو یہ جانتے ہوئے بھی بطور طرزِ حیات اختیار کرسکتا ہے کہ اس کے اس عمل میں فلسطینی محض ایک قابل رحم شکار بنیں گے ۔

مذہب کی تباہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سارے نظریے ابھر کر سامنے آگئے مثلاً سائنسی مذہب، مونیز، دہریے، ہرے کرشنا کے پیروکار۔ یہ تمام نظریات اس روحانی مسئلہ کا علاج نہیں بلکہ یہ اس خلا کی نشاندہی کرنے والی علامتیں ہیں ۔ یہ نظریات کسی طرح بھی موجودہ دنیا کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے یا کوئی عملی تبدیلی لا سکتے ہیں۔ یہ باطنیت کی طرف واپسی کی تبلیغ کرتے ہیں ۔اور صاحب ایمان لوگوں پر مشتمل خیالی معاشرے تعمیر کرنے کی بات کرتے ہیں ۔حالانکہ ان کا مدعا دنیا سے مکمل کنارہ کشی ہے ۔ یہ تمام نظریات کچھ نہیں کریں گے سوائے اسکے کہ ان کے بے یارومددگار اور شکست خوردہ لوگوں کو کھانا کھلادیں ۔ جنہیں یا تو ان معاشروں نے باہر دھکیل دیا ہے یا

پھر دشمنوں نے انھیں سرحدوں کی طرف ہانک دیا ہے ان کے رکن ایسے نوجوان لوگ ہیں جو مکمل طور پر خیالاتی دنیا میں گم رہتے ہیں یا پھر کسی معاشرے کے آوارہ گرد لوگ ہیں جہاں غریب اور تنہا افراد کے لیے کوئی جگہ نہیں ۔اگر آپ بالکل ہی تنہا ہیں تو یہ آپ کو صرف کھانا فراہم کریں گے لیکن ان کی قیمت ان نوجوانوں کا بڑا منظم استحصال ہے۔

تمام دنیا پر ان نظریوں کی ناکامی عیاں ہے ۔لاطینی امریکہ میں کیتھولک چرچ پروٹسٹنٹ فرقوں کے چیلنج کے سامنے جھک رہا ہے ۔عرب دنیا میں جبر پسند،اشترا کیت اور بعث ازم مردہ ہو چکے ہیں۔انڈونیشیا میں پنکا سیلا ایک مذاق بن گیا ہے ۔بھارت میں نہرو کا لادینی نظام ختم ہو گیا ہے اور ملک فرقہ وارانہ بنیادوں کی طرف لوٹ رہا ہے ۔نیرر کا افریقی سوشلزم مردہ ہو چکا ہے ۔سرامیکل کا افریقی کمیونزم بھی ویسی ہی موت مر چکا ہے۔اس جہانِ ناکامی میں سرمایہ دارانہ نظام اپنے سیاسی بھائی یعنی سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابی درحقیقت اس کی ناکامی ہے ۔گزشتہ صدی کی پوری تاریخ اس دولت پرست ،خود غرض ،غیر شائستہ،اور متعفن معاشرے کا متبادل تلاش کرنے کی کوششوں سے عبارت ہے ۔ان میں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ تاریخ ختم ہو چکی ہے اب معاشرے میں منظم خود پرستی والا نظام حکمرانی کرے گا اور ہر شخص مسرت کی تلاش میں گھسیٹا جائے گا امیر اور طاقتور لوگ سرمائے اور طاقت کے بل بوتے پر بدعنوان اور بدعنوانی پھیلانے والے ٹیلیوژن کے ذریعے امیر اور طاقتور دوستوں پر قابو پا کر انتخاب جیتیں گے اور اپنی با قاعدہ کامیابیوں سے دلی خواہشات پوری کریں گے۔

یہ کامیابی اور خود خرید کردہ صحافیوں کی زبان سے اس کی تعریف عہدِ جہالت کی آمد کی دلیل ہے سرمایہ دارانہ نظام کی یہ کامیابی بہت سارے حوالوں سے دوسرے عقائد کی ناکامی کا سبب ہے۔

تنہا اسلام ہی رہ جاتا ہے اور وہ پوری دنیا میں آگے بڑھ رہا ہے اور کامیاب ہو رہا ہے۔ اسلام نے اس صدی کی ابتدا میں بہت سارے مسائل کا سامنا کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ سائنس، سرمایہ دارانہ نظام اور مارکسیت کی حمایت میں اسلام سے دستبردار ہو رہے تھے۔ اب وہ لوگ ان نظاموں کی ناکامی محسوس کرتے ہوئے واپس آ رہے ہیں۔ اسلام کا آگے بڑھنا ماضی کے اسلام کی طرف لوٹنا نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی نظریے کی طرف واپسی یعنی اسلام کی دوبارہ دریافت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کامیاب ہو رہا ہے۔ ان تمام طرز ہائے حیات کی ناکامی ہمیں ایک بنیادی ضرورت کا احساس دلاتی ہے۔ اس دنیا کے تغیر وتبدل اور اس کو ایک نفیس و شفیق مقام میں بدلنے کے لیے ایک عقیدے کی ضرورت ہے جیسا کہ سائنس اور مارکسیت کے انجام سے ظاہر ہے اس عقیدے کو خدائی تعلیمات پر مشتمل ہونا ہوگا اور خدائی تعلیمات کا حامل عقیدہ ہی دنیا کو اسلامی دنیا میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسلام کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اسے مخلوقِ خدا پر حکمرانی کرنی چاہیے اور خدا تعالیٰ کا نائب بننا چاہیے۔ خدا تعالیٰ زمان و مکاں سے ماورا ہے اور انسان زمان و مکاں میں رہتے ہوئے خدا تعالیٰ جیسی ہستی ہے۔ اس لئے یہ دنیا وہاں پیدا کی جا سکتی

ہے جہاں انسان جیسی عادات و اخلاق والی مخلوق ہو۔ ہمیں دنیا کو ایک ایسے مقام میں بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے جو کہ نفیس اور شفیق ہو اور خداتعالیٰ کے ان خلیفوں کی خدا تعالیٰ ہمارے ہر عمل کی تائید کرے گا اور بالآخر ہمیں جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ ہم موت کے خوف سے بالاتر ہوکر اور صرف خدا تعالیٰ کے خوف میں ڈوب کر یہ جدوجہد کر سکتے ہیں۔

اگر آپ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں تو ہر ایک آپ سے ڈرے گا۔

یہ کتاب قارئین کو یہ درخواست کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ وہ اسلام پر غور کریں اور ایک چیز جسے کہنا نہیں بھولنا چاہونگا۔ یہ ہے کہ دوسرے تمام عقیدوں اور نظام ہائے حیات کی بہترین چیزیں اسلام میں جمع ہوگئی ہیں۔ اسلام ایک مکمل مذہب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ ان سب نظاموں کی اچھائیوں سے عبارت ہے جو گزر گئے ہیں۔ اس لیے اس نے وہ تمام خوبیاں ورثے میں پائی ہیں جو انسانیت حاصل کر چکی ہے۔

اسلام میں مارکسیت جیسی شدید قسم کی سماجی اور سیاسی قوت عمل موجود ہے۔ اسلام میں ہر ایسے شخص کے لیے جو سرگرم زندگی گزارنا چاہتا ہے لامحدود جگہ ہے اسلام غریبوں اور محروموں کی محبت کا نام ہے جو کہ اصل عیسائیت کا مرکزی نکتہ ہے۔ کیتھولک کی طرح اسلام میں کہیں حضرت مریم، جناب عیسیٰ کی والدہ جنت میں موجود خواتین میں سے ایک بلند مقام رکھتی ہیں۔ پروٹسٹنٹ لوگوں کے لیے اسلام کی خصوصیت ہے کی اسلام میں کہیں بھی پادریت نہیں اور عملی جمہوریت عقیدے کے اندر موجود ہے۔ وہاں نہ کوئی پوپ ہے اور نہ کلیسائی راج۔ اسلام میں یہودیت جیسی مکمل

توحید پرستی اور یہودیت جیسا ایک مفصل طرزِ حیات موجود ہے اشتراکیت پسندوں کے لیے یہاں عام آدمی کے لیے بڑی محبت اور ہر قسم کی خودنمائی سے شدید نفرت موجود ہے ۔مزاج پسندوں کے لیے اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ انسان کا کوئی آقا نہیں۔اسلام میں آپ کسی آدمی کی کسی قسم کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ اسلام مزاج پسندوں سے بھی زیادہ مزاج پسند ہے ۔کیونکہ مزاج پسند بھی ایک شخص کی تابعداری کرتے ہیں جو کہ ان کی اپنی ذات ہے اسلام میں آپ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ۔یہاں تک کہ اپنی بھی نہیں۔اسلام اپنے اندر پیشہ سری اشتراکیت جیسی خود انتظامی بھی رکھتا ہے۔

قدامت پسند لوگوں کے لیے اسلام میں پرانے وقتوں کی روایات محبت موجود ہے ۔اسلام میں اہل خانہ اور تجارت کی محبت پائی جاتی ہے ۔ جارج آرویل نے لکھا تھا کہ انگریزی طرزَ زندگی کی سب سے بڑی خوبی تخلیے کی شدید محبت ہے ۔اسلام خلوت اور جلوت دونوں کا انتظام کرتا ہے۔امام غزالی ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے والے انسان کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ تنہا رہنا پسند کرتا ہے۔خلوت میں غوروفکر کرنا اسلام کے روحانی نظام میں بڑا بلند مقام رکھتا ہے ۔افضل ترین ذکر وہ ہے جو خلوت میں کیا جائے اور وہ اس قدر خاموشی سے ہو کہ فرشتے بھی نہ جان سکیں کہ آپ ذکر کر رہے ہیں ۔

ان لوگوں کے لیے جو باطنیت کو پسند کرتے ہیں اسلام میں تصوف موجود ہے۔بدھ مت کے حامیوں کے لیے اسلام میں دنیا سے بے اعتنائی

ہے ۔مسلمان صرف خدا سے ڈرتا ہے ۔اور صرف اسی سے ہی طلب کرتا ہے اس جہاں کی کوئی بھی چیز اس کے نزدیک کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔

یہاں تک کہ ایماندار سرمایہ داروں کے لیے بھی اسلام میں بہت کچھ ہے ۔اسلام میں ذاتی جائداد کی اجازت ہے لیکن اس میں خودغرضی نہیں ہے۔اسلام تمام سرمائے کو گندگی اور اور غلاظت سے پاک کرنے کا عزم رکھتا ہے۔اسلام اسکی توقع کرتا ہے کہ دولتمند آدمی بہترین آدمی بن جائے۔اسلام جنگ جوؤں کے لیے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔اسلام میں تین عیدیں ہیں جو بڑے شاندار انداز میں منائی جاتی ہیں۔ماہ رمضان شریف اور حج کے اختتام پر اور رسول اللہ ﷺ کے یوم پیدائش کے موقع پر ،ازدواجی تعلقات میں مصروف ہونا اسلام میں اخلاقی فرض ہے اسلام میں خوبصورت ذائقے دار اور حلال غذا اور عمدہ قسم کا لباس ہے۔انسان پر واجب ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے محبت کرے اور خدا تعالیٰ ہی سب سے اعلیٰ ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے اسلام میں یہ تمام خوبیاں بیک وقت پائی جاتی ہیں۔لطف اندوز ہونے کے لیے تمام بہترین عقیدے اسلام میں آپ منتخب کر سکتے ہیں۔لیکن وہ موضوع زیرِ بحث لائے بغیر اسلام پر کتاب نہیں لکھ سکتا جو کہ ہمیشہ اسلام کو گالی دینے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں ۔ پہلا سوال اسلام اور عورت کے متعلق ہے ۔حقوق نسواں کے علمبردار اسلام کو خواتین پر ظلم ڈھانے کا الزام دیتے ہیں۔اسلام یقیناً ایسا نہیں ہے جیسا کہ مساوی حقوق نسواں کا نظریہ ۔دوسرا اعتراض چوری کے جرم میں ہاتھ

کاٹے جانے کی سزا ہے۔اسلام اور عورت کے مساوی حقوق کے نظریے کا موضوع اتنا اہم ہے اسے ایک یا دو پیہروں میں نمٹایا نہیں جا سکتا اور امید ہے کہ اس موضوع پر میں جلد ہی کتاب لکھوں گا (یہ کتاب لکھی گئی ہے اور چھپ چکی ہے)۔

یہاں صرف میرا مختصراً تبصرہ ہے ۔اس بات پر سب متفق ہیں کہ آج کل عورت کی زندگی بڑے بحران کا شکار ہے اسلام اور مساوی حقوق نسواں کے نظریے میں فرق اس بحران کے متعلق اپنائے جانے والے اندازِ فکر اور اس کے لیے کیے جانے والے اقدامات کے حوالے سے ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام عورت کے مروجہ طرزِ زندگی کو دنیا بھر میں تباہ کر رہا ہے۔ کنبے کا وجود مٹ رہا ہے ۔ عورت کو بازار میں ایک مزدور کے طور پر یا پھر جنسی کھلونے کے طور پر لایا گیا ہے ۔ زیادہ سے زیادہ ہم ایک ایسے جنس زدہ معاشرے میں رہ رہے ہیں۔ جہاں زندگی کا مقصد لامحدود جنس ہے عورت دولت کے حصول کے لیے ایک دیہاڑی دار مزدور یا رنڈی کی طرح اپنا کنبہ اور بچے چھوڑ دیتی ہے ۔مساوی حقوق نسواں کا نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اس رجحان کی حمایت اور خیر مقدم کرتا ہے۔ان کے نزدیک عورت کو چاہیے کہ وہ خانگی زندگی کو خیر باد کہہ دے اور بچے نہ پیدا کرنے والی ایسی مقابلہ کار خاتون بننے کی کوشش کرے جس کی تمام تر جدوجہد مرد کے مقابلے میں سرمائے کا میدان مارنا ہو اور یہ سب کچھ کرنے کے لیے عورت کو وہ سب کچھ کچلنا ہوگا جو بحیثیت عورت اس کے اندر موجود ہے ۔اس کا مقصد حیات ایک دیہاڑی دار مزدور اور جنسی کھلونا

بنتا ہے۔چنانچہ اس مقصد کے لیے بہترین اصطلاح (مساوات) کی اصطلاح ہے۔

اس بحران کے حوالے سے اسلام کا رویہ مختلف ہے۔سرمائے کے میدان میں لڑنے کے لیے عورت اس طرح مسلح نہیں ہے جس میں کہ مرد اور عورت نے ہمیشہ اس میدان میں شکست کھائی ہے اور ہمیشہ شکست کھائے گی۔سرمائے کا میدان جیتنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ خدا کی موت،مرد کی موت،اور عورت کی موت جیسے نظریے پیدا کیے ہیں۔جو ہو سکتا ہے اکیسویں صدی میں حقیقت کا روپ دھار لیں۔سرمایہ داری کا میدان ویسے بھی اس قابل نہیں ہے کہ اسے جیتا جائے۔یہ صرف ایک منظم خود پرستی ہے ہم سب کا مقصد حیات نفس سے آزادی، گہری روحانیت اور تقدیس کا حصول ہونا چاہیے۔ہمیں علمی اور اخلاقی طور پر اپنے آپ کو مکمل کرنا چاہیے۔اس کی وجہ سے اسلام میں انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ عورت کی نگہداشت کرے۔عورت کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے کہ اسے اپنی روزی کمانی پڑے۔مرد پر لازم ہے کہ وہ اپنی رشتے دار خواتین کی مدد کرے اور اسلام میں عورت کو ہر جنسی استحصال سے محفوظ رکھا گیا ہے۔اسلام ایسی کسی بھی حیوانی جنسی منڈی کو ممنوع قرار دیتا ہے جو ہمیں رقص گاہوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔اسلام میں اس امتناع کا مقصد مرد اور عورت کے لیے جنسی آزادی ہے۔لیکن لامحدود جنسی سرگرمیوں میں مصروف رہنا مثبت جنسی آزادی نہیں ہے۔اس قسم کی مثبت جنسی آزادی کا حصول ناممکن اور اس کے حصول کے لیے کوشش کرنا خطرناک ہے۔اس

آزادی کے حصول کی کوشش کے دوران لوگ جنسی خواہشات کی پرستش کرتے ہیں نہ کہ خدا کی۔

اسلام میں جنسی آزادی کا مطلب جنسی خواہشات سے آزادی حاصل کرنا ہے۔ایک ایسی زندگی جس میں جنسی خواہشات ہمہ وقت قابو میں ہوں اور کبھی بھی سوائے اچھے طریقے اور خداداد مقاصد کے ان کا اظہار نہ ہو۔ یہ منفی آزادی عالمگیر سطح پر مروج شادیوں سے حاصل کی گئی ہے۔تا کہ کوئی بھی شخص اس آگ میں نہ جھلسنے پائے۔اسلام میں یہی مقصد مکمل جنسی خلوت دے کر اور اس سے بھی بڑھ کر مرد اور عورت دونوں کو اسلامی لباس پہنا کر حاصل کیا گیا ہے۔اس کا مقصد ہمارے جنسی اشتعال کی سطح کم کر کے انھیں مکمل فطری معیار تک لے آنا ہے۔ یہ منفی آزادی حاصل کرنا نہ ہی صرف ممکن ہے بلکہ آسانی کے ساتھ حاصل بھی کی جا سکتی ہے۔ ہر شخص اسے حاصل کر سکتا ہے اور مسلمانوں کی کثیر تعداد نے اسے حاصل کیا۔

مساوی حقوق نسواں کے حامی کہتے ہیں کہ جدید معاشرے میں کنبے کا قیام لازمی چیز ہے۔ یہ احمقانہ بات ہے۔اس معاشرے میں کنبے کا قیام نہایت مشکل ہے۔ ہمارے معاشرے میں رہائش کے مسائل، بے روزگاری،اور روزمرہ اخراجات اور معاشرے میں تقسیم در تقسیم کا عمل وہ عوامل ہیں جو درحقیقت ہمیں تنہائی اور احساس ناکامی کے شکار تعلقات کار کی طرف دھکیل دیتے ہیں اس معاشرے کے کثیر عوام کسی قسم کی جنسی سرگرمی میں مصروف نہیں ہیں۔لہذا کوئی شخص کس طرح کہہ سکتا ہے کہ کنبہ ضروری ہے۔اگر کوئی شخص اس سوال پر محض غور ہی کرتا ہے تو کوئی دوسرا شخص عملی

طور پر اس مفروضے سے متصادم ہو جاتا ہے ۔کیا ایسا دعویٰ کرنے والوں کا واقعی کوئی بچہ بھی ہے؟ اسلام کنبے کو محفوظ رکھنے کی جنگ ایک ایسے معاشرے میں لڑ رہا ہے جو اس قدر خود غرض ہے کہ اتنی خود غرضی کی اجازت ہی نہیں دی جا سکتی۔اسلام کا مدعا لوگوں کی بے حسی پر غالب آنا ہے

پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور بچوں کے لیے زیادہ شفیق ہے۔رسول کریم ﷺ نے گھر کا کام خود کیا عورت کو اپنی تکمیل اور جنت میں داخلے کی اہل بننے کے لیے آزاد ہونا چاہیے۔پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت کی چار دیواری کے اندر نجی زندگی روحانی طور پر اتنی ہی پر جزا ہے جتنی کہ مرد کی گھر کے باہر کی زندگی۔عورت کے لیے اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ دنیاوی معاملات میں مرد کے تحفظ والی سہولت سے لطف اندوز ہو ۔اور خدا تعالیٰ کے نائب کے طور پر مرد کے شانہ بشانہ بھی کھڑی ہو۔عورت مکمل طور پر مرد کے ہم پایہ ہے۔

یہ عورت کے متعلق اسلامی تعلیمات کی روح ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اسلام ہی عورت کی موت کے سامنے رکاوٹ بن سکتا ہے جس طرح ہر نظریے کی بہترین چیز اسلام میں ہے اس طرح بہترین نسائیت بھی اسلام میں ہے۔اسلام چاہتا ہے کہ عورتوں کی انفرادیت اور شخصیت کو محفوظ کیا جائے۔اسلام خاص طور پر عورت کے ماں بننے والے منفرد کارنامے کو بڑی اہمیت دیتا ہے اسلام میں عورتوں کو مردوں سے جدا رکھنے کے لیے ایک پورا نظام ہے جو پردے کے نام سے مشہور ہے یہ کہنے کی ضرورت

نہیں کہ تمام مسلمان عورت کی زندگی کے ان اعلیٰ اصولوں پر عمل پیرا ہیں ۔ مغرب اور مشرق کے بہت سارے مسلمان بالکل غیر اسلامی کاموں میں مصروف رہتے ہیں ۔ ہندوستان میں عورت کے ساتھ بہت ساری پشت در پشت ہندوانہ رسومات کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے۔ مغرب میں عام طور پر اسلامی احکامات کو مکمل سرمایہ دارانہ خطوط پر بدلا جاتا ہے۔ مسلمان کی خود اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے میں ناکامی، زندگی کے کئی دوسرے پہلوؤں میں ان کی ناکامی جیسی ہے۔

چور سے متعلق اسلامی سزا پر عمل درآمد بھی بالکل ظالمانہ حد تک توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ دیوالیہ پن کی شکار حکومتیں جو خود کو اسلامی ظاہر کرنے کی شوقین ہیں اپنے عوام جن پر وہ ظلم کرتے ہیں۔ کو خوش کرنے کیلئے اور اسلام پر بڑے آسان اور سستے طریقے سے احسان کرنے کے لیے ہاتھ کاٹ دیتے ہیں اس فعل کی مکمل طور پر مذمت کی جاتی ہے۔ اسلامی سزائیں خوفزدہ کرنے والی ہیں ان سزاؤں کے تحت ہونے سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ مجرم لوگ خداتعالیٰ کی حاکمیت کو للکارتے ہیں لیکن اسلام کا مقصد ایسے معاشرے کا قیام ہے جو جرائم سے مکمل طور پر پاک ہو۔ اسلام اپنی تعلیمات کے حوالے سے بہترین علم الجرائم سے متفق ہے کہ صرف معاشرہ ہی جرائم کو پروان چڑھاتا ہے۔ اسلام کا مدعا جرائم کے تمام اسباب کو ختم کرنا ہے۔ اس لیے ایک چور جب چوری کرتا ہے تو واقعی وہ خدا تعالیٰ کی حاکمیت کو للکارتا ہے۔

اسلام کے رکن زکوٰۃ میں انہیں وجوہ کی بنا پر غریبوں کو ادائیگی کی

جاتی ہے اسلام میں بے روزگاری ناجائز ہے بلکہ اسلام اس سے بھی آگے جاتا ہے یہ جرائم کے اسباب کو ختم کرتا ہے کوئی بھی ماہر جرمیات آپ کو بتائے گا کہ بہت زیادہ جرائم کی وجہ بچوں کی نگہداشت اور انھیں قابو رکھنے میں ناکامی ہے۔

بے قابو آوارہ گرد بچے جرائم کی کثیر تعداد کے مرتکب ہوتے ہیں۔اسلام اسے کنبے کے جابرانہ دفاع سے روکتا ہے۔عصمت دری کے بہت سارے جرائم شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں اسلام شراب کو مکمل طور پر ممنوع قرار دیتا ہے۔

اسلام کا جنسی ضابطہ جس کی میں نے ابھی وضاحت کی ہے۔جنسی جارحیت کے اسباب کو ختم کرتا ہے۔اسلامی معاشرہ جرائم سے پاک معاشرہ ہے۔تاریخی طور پر اسلامی معاشرے جرائم نہ ہونے کے سبب مشہور تھے۔یہ یورپی لوگ اور نوآبادیاتی نظام ہے جس نے کنبے کو تباہ کردیا۔شراب نوشی کو متعارف کرایااور زناکاری وغیرہ کی پرورش کی اور پروان چڑھایا۔

یوں ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلامی سزا شاذونادر ہی لاگو ہوگی یا پھر کبھی لاگو نہیں ہوگی کیونکہ وہاں جرم کا کوئی سبب ہی نہیں ہوگا اور اگر جرم کا کوئی سبب ہوگا تو پھر سزا دینے کے لیے کوئی وجہ نہیں ہوگی۔مغرب کے نظام تعزیرات کا مکمل دیوالیہ پن کسی تبصرے کا محتاج نہیں ۔ماضی میں مغربی دنیا کی سزائیں اسلامی سزاؤں سے کہیں زیادہ شدید تھیں ۔قرونِ وسطیٰ میں انگلینڈ میں ایک شخص کو پانچ پونڈ یا اس سے زیادہ رقم چرانے پر پھانسی دے دی گئی تھی سزائیں کم کی گئیں لیکن جرائم کی ایک بڑی لہر کی وجہ سے صورتحال

مکمل طور پر قابو سے باہر ہوگئی۔جس کا مطلب یہ تھا کہ کبھی بھی کوئی قید خانہ اتنا بڑا نہیں ہوسکتا کہ تمام مجرموں کو اس کے اندر ڈال دیا جائے ۔آج کل مغرب وحشت کی طرف لوٹ رہا ہے۔جس کا خدا تعالیٰ کے قانون میں کوئی جواز نہیں اور خدا تعالیٰ کا قانون اس وقت نافذ ہوگا جب سرمایہ دارانہ نظام جو کہ جرائم کی پرورش گاہ ہے، سے مکمل علیحدگی اختیار کی جائے۔

بیسویں صدی انسانی مسائل کو نمٹانے کے تمام طریقے سوائے سرمایہ دارانہ نظام کی منظم خودغرضی کے، ناکام ہو چکے ہیں ۔پھر اسلام ہی رہ جاتا ہے ۔میں کبھی بھی منظم نفس پرستی قبول نہیں کرسکتا ۔ یہی ہے کہ میرے لیے صرف اسلام ہی باقی رہ جاتا ہے۔

صورتحال پیدا نہیں ہوسکتی۔اسلام زور دیتا ہے کہ تم جس پر ایمان رکھتے ہو ،وہ ان دیکھا ہے ۔تمہیں اسکی زندگی میں یقینی صورت حال یا ثبوت کبھی فراہم نہیں کیا جائے گا۔اگر آپ صاحب ایمان ہیں تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔اور یہ کہ عقیدہ کبھی یقینی نہیں ہوسکتا ۔ایک بڑے اہم حوالے سے اسلام نیک اعمال کی فلسفیانہ برتری پر اعتماد رکھتا ہے ۔مسلمان وہ ہے جسے شفیق ترین اور بڑی ہی فیاض قسم کی زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ایک ایسا شخص ہے جسے مظلوموں ،غریبوں اور پسے ہوئے طبقوں کی بہتری اور اس دنیا کو ایک ایسے بہتر مقام میں بدلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو کہ نوع انسانی کے لیے موزوں ہو ،مسلمان وہ شخص ہے جو ایسے فلسفہ حیات کی تلاش میں ہو جو اسے صرف یہ سب کچھ کرنے کے قابل بنا دے ۔ایسے فلسفے کو اولیت حاصل ہے جو نیک اعمال کو زیادہ ترقی دیتا ہو۔ایسے فلسفے کو رحم کرنے والے مہربان خدا پر ایمان لانا ہوگا جس نے انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہو کہ وہ جنت کی تعمیر کر سکے ۔قرآنَ پاک میں آپ نیک اعمال کو عقیدہ کے ساتھ منسلک پاتے ہیں ۔نیک اعمال ہی عقیدہ بناتے ہیں ۔نیک اعمال میری فلسفہ اسلام کی طرف میری رہنمائی کرتے ہیں۔اگر میں کوئی بے غرض شفقت بھرا کام سرانجام دوں۔جس سے مجھے اس دنیا میں کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ خطرہ ہو اور خطرہ بھی زندگی کا تو کیا میں عملاً یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ایک خدا موجود ہے جو میرے اس عمل کو حقیقی طور پر کامیاب بنائے گا۔خواہ مجھے اس دنیا کے اختتام کا انتظار ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔میرے اعمال ظاہر کرتے ہیں کہ میرے اعمال کیسے ہونے چاہیں ؟ میرے اعمال ہمیشہ میرے

الفاظ سے بھی بلند الفاظ سے بولتے ہیں ۔ یہاں تک کہ میرے ذاتی خیالوں سے بھی بلند آواز میں بولتے ہیں نیک اعمال ایمان کا سچا فعل ہیں ۔ بلکہ بذاتِ خود ایمان ہیں ۔

اسلام کہہ رہا ہے آگے بڑھو اور نیک اعمال کرو اور یہ ایمان رکھو کہ یہ سب کچھ بے سود نہیں ہے ۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اس قابل ہوں کہ اسے تسلیم کروں کیونکہ میں نیک اعمال کی فلسفیانہ برتری کو تسلیم کرتا ہوں کہ جب ایک نیک شخص ناکام ہوتا ہے تو وہ بظاہر ناکام ہوتا ہے بلکہ وہ صرف بیوقوفوں کی نظر میں ناکام ہوتا ہے ۔ ایک حقیقی دانا اور حقیقی فلسفیانہ سوچ رکھنے والے شخص کو ہمیشہ یہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ نیک لوگ مر جاتے ہیں مگر باوجود اس کے وہ زندہ رہتے ہیں ۔ میں مارکسیت کو اس قابل تسلیم نہیں کرسکتا ۔ مارکسیت کا معاشرے اور تاریخ کا تجزیہ بڑا خوبصورت ہے اس کا اخلاقی نظام بہت اچھا ہے ۔ لیکن آخر میں زندگی بعد موت کے نظریے کی تردید نے اسے تباہ کردیا ہے ۔

کوئی بھی ایسا فلسفہ جو حیات بعد موت کا فکر ہونے کی اولیت نہیں دے سکتا ۔ بالآخر مارکسیوں کو یہ لازماً کہنا پڑتا ہے اگر مجھے شکست ہوئی تو ہاتھ سے سب کچھ گیا ۔ نیک اعمال کی فلسفیانہ برتری مارکسیت کو تباہ کررہی ہے ۔ ہوسکتا ہے کی ایک مارکسی بے سوچے سمجھے نیک اعمال سرانجام دینے پر زور دے ۔ اس طرح وہ جس صورت میں اسلام کو قبول کررہا ہے وہ اعمال کی صورت ہے لیکن مارکسی فلسفہ محض لفظوں اور خیالوں میں ہے میں جانتا ہوں کہ اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں میں بذات خود یہی کرتا رہا

ہوں۔ یہاں تک کہ کئی دوسرے عقیدے والے نیکی اختیار کرنے کی سرے سے کوشش ہی نہیں کرتے ۔وہ ایسے فلسفے کو قبول کرتے ہیں جو ظلم اور بدعملی کو اولیت دیتے ہیں۔

اسلام نیک اعمال کو انسان کی خواہشوں میں شامل کردیتا ہے ۔وہ لوگ جو نیک بننا چاہے ہیں اسلام کی تلاش کررہے ہیں ۔اور یاد رکھنا کہ اسلام تاریکی میں نیک اعمال کی تلاش کا حکم دیتا ہے ۔ایک نیک عمل ہمیشہ اپنے ساتھ عقیدے کو ملوث کرتا ہے۔آپ جب بھی نیک اعمال کریں گے تو آپ کو ایک فلسفیانہ مفروضہ قائم کرنا پڑے گا۔

اسلام کی سچائی ہمیشہ ایمان میں ہے نہ کہ یقین میں۔ بلاشبہ فلسفے کا سارا استدلال اس کی بے یقینی کی وجہ سے ہے ۔فلسفہ ناقابل جواب سوالوں کی سائنس ہے ۔اسلام کے دشمن کبھی بھی یقینی طور پر معلوم نہیں کرسکتے کہ اسلام غلط ہے ۔لیکن ہمیں ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مسلمان غلط کار بھی ہو تو بھی وہ خوش کن زندگی گزارتا ہے۔جبکہ غیر مسلم خوفناک زندگی گزارتے ہیں اگر مسلمان راست باز ہے تو وہ یقیناً جنت میں جاتا ہے۔جبکہ غیر مسلم کو دوزخ نصیب ہوتا ہے۔

فلسفے کی بے یقینی کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے ماہرین کے نظریہ کے ذریعے ایک فلسفیانہ کردار ادا کرے ۔اگر ہم حقیقت کو نہیں جان سکتے تو پھر سارے لوگ اپنے اعمال کا جواز پیش کرسکتے ہیں۔بقول انکے یہی چیز ہم میں سے ہر شخص کو اپنی مرضی کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے۔اس لیے یہاں بے یقینی خودغرضی کے جائز

ہونے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اب میری آزادی کو فلسفیانہ بنیاد پر روکنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی، نہ ہی کوئی مذہب اور نہ ہی الحاد، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پاس ثبوت ہے وہ قطعی طور پر غلط ہے۔لیکن اسلام اس فلسفیانہ بے یقینی کے ذریعے حیاء اور نیک اعمال کی منزل تک پہنچتا ہے۔انسان کے پاس کبھی بھی زندگی کو شریف ترین اور بہترین اخلاقی انداز میں نہ گزارنے کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہوسکتی ۔انسان اپنی بے یقینی میں کوئی اور کام کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔اگر کوئی کرتا ہے تو صرف نیک اعمال کرتا ہے ۔انسان بھی واقعی کتنی عجیب وغریب چیز ہے اور خداتعالیٰ کا کتنا موزوں خلیفہ ہے۔

یہ واضح ہے کہ اگر فلسفہ غیر یقینی نہ ہوتا تو خداتعالیٰ یہ مقصد کبھی بھی حاصل نہ کر سکتا۔اسلام کی طرف آخری قدم لازماً ایمان کا عمل ہونا چاہیے۔میں نے اپنے مسلمان ہونے کی چھ وجوہ گنوائی ہیں اب میں بنیادی وجہ کی نشاندہی کرتا ہوں۔میں اسلام پر یقین اس کے اخلاقی نظام کی وجہ سے رکھتا ہوں اسلام میرے نزدیک سچا ہے کیونکہ یہ نیکی ،شفقت،اور شرم و حیا پر یقین رکھتا ہے ۔اور اس کا اخلاقی نظام سب نظاموں سے بہتر ہے میرا ایمان ہے کہ اس جہاں میں تنہا اسلام ہی اس قابل ہے کہ وہ نیکی اور شرم و حیا کی پرورش پروان چڑھا سکے ۔لیکن میرا یہ بھی ایمان ہے کہ اسلام کی طرف آنے کا واحد راستہ نیکی اور حیا کی قدر کرنا ہے صرف خدا تعالیٰ ہی ایمان سے نوازتا ہے۔میرے نزدیک ایمان کا راستہ وہی ہے کہ جس کے مطابق اسلام زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔

بلاشبہ اس کا مطلب رسول خدا ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونا،نماز،روزہ کی پابندی کرنا،اسلام کے دوسرے احکامات پر کاربند رہنا اور اپنے کو نیک اعمال کی تربیت دینا ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہی اسلام کا ثبوت ہے۔کیونکہ اگر آپ اس انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں۔تو بالآخر آپ اپنے اندر جنت کی ہوا چلتی ہوئی محسوس کرتے ہیں۔اور آپ ایمان علم اور ثبوت سے بے نیاز ہوجائیں گے۔جو کچھ امام غزالی نے لکھا ہے وہ واقعی مکمل توجہ سے پڑھنا چاہیے۔کیونکہ اسلام کا ثبوت نیکی اور شرم وحیا کا غالب آنا ہے۔مظلوموں اور پسے ہوئے لوگوں کی مدد کرنے اور دنیا کو ایک نفیس اور شفیق مقام میں بدلنے کا نتیجہ ایک بھرپور ذہنی لذت ہے آپ اس راستے کا انتخاب نیک اعمال کی خواہش کی وجہ سے کریں۔جب آپ روحانی مسرت کے اس تجربے سے گزریں گے تو خود ہی جان لیں گے کہ فلسفیانہ بے یقینی کے مسئلے کا صرف یہ ایک حل ہوسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس کے سبب میں اسلام کی حقانیت پر ایمان لایا ہوں۔

نتیجہ

میں اپنے مسلمان ہونے کی وجوہات بیان کر چکا ہوں ۔اب مجھے نتیجے کے طور پر اپنے مسلمان ہونے کے بعد کی زندگی کا بتانا چاہیے۔اور اس کا مطلب میری موجودہ مسرتیں،خدشات اور توقعات ہیں۔ میری سب سے بڑی مسرت تو خوف کا ختم ہونا ہے ۔الحاد میں زندگی بے مقصدیت سے عبارت ہے۔موت کا اختتام زندگی ہونے کا خوف نیز ظالموں کے غالب آ جانے اور زندگی میں انصاف کی عدم موجودگی کا خوف بھی ناگزیر ہے اسلام نے مجھے اپنی بد اعمالیوں پر افسوس کرنا بھی سکھایا ہے۔کیونکہ ان اعمال کو واقعی ایک خوفناک مستقبل کا سامنا ہے۔

بہت سارے مذاہب اتنے ہی زیادہ خوف ساتھ لاتے ہیں جتنے کہ وہ ختم کرتے ہیں ۔وہ اوہام سے پُر ہوتے ہیں اور ان کے خدا وحشی ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام اوہام کو ختم کرتا ہے ۔رسول اللہ ﷺ ایک تاریخی شخصیت ہیں اور کسی بھی ٹھوس تاریخی وعلمی بنیادوں کے علاوہ کسی دوسری چیز پر یقین کرنے کی ضرورت نہیں ۔خدا تعالیٰ کی واحدانیت پر ایمان لانا بھی اوہام کو ختم کرتا ہے ۔اسلام میں کوئی اوتار یا جھوٹا خدا نہیں ہے ۔اسلام میں قسمت کا حال بتانا ناجائز ہے ۔صرف خدا تعالیٰ ہی قسمت کا حال جانتا ہے ،خدا تعالی نوع انسانی کے لیے بہت زیادہ محبت رکھنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۔ جہاں آپ کو خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے وہاں قرآن یہ بھی کہتا ہے خدا تعالیٰ نہایت منصف ہے اور ہمیں کبھی نہیں سوچنا

چاہیے کہ خدا تعالیٰ کسی بھی کام کسی بھی نامعقول یا ظالمانہ انداز میں گرفت کرے گا خدا تعالیٰ انسان سے زیادہ انصاف پسند ہے ہمیں کوئی ناپسندیدہ چیز خدا تعالیٰ سے منسوب نہیں کرنی چاہیے اور ہمیں کبھی بھی اسلامی قانون کی کوئی ایسی وضاحت قبول نہیں کرنی چاہیے جو ظالمانہ ہو۔

اسلام ہر طرح کے خوف کو ختم کر دیتا ہے۔اسلامی زندگی میں جس میں ہر روز پانچ مرتبہ نماز پڑھی جاتی ہے اور روزے وغیرہ رکھے جاتے ہیں ایک انوکھی چیز ہے۔اسلام کا مدعا مظلوم اور پسے ہوئے لوگوں کی حالت بہتر بنانا ہے ۔تو ایسے کرنے میں ہمیں نوع انسانی کے لیے خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کی تعمیل کرنا چاہیے۔سب سے بڑا خطرہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس قانون کو جان لینے کے بعد بھول جائیں ۔یہ واضح ہے کہ مارکسئیت میں مارکسئیت کے خیالات بھلادیے گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو گئے ہیں ۔مارکسئیت کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی چیز ہے۔لیکن روزانہ پانچ وقت نماز ادا کرنا اور دوسرے احکامات پر عمل پیرا ہونا مثلاً باقاعدگی سے روزے رکھنا آپ کو بنیادی عقائد بھول جانے سے باز رکھتا ہے ۔آپ مسلسل خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فکر اور یاد کی طرف لوٹتے ہیں۔

ایک اور مسرت جس سے میں اسلام میں لطف نواز ہو رہا ہوں۔وہ مظلوموں کی مدد کرنا ہے جو کہ اسلام کا اصل مدعا ہے ۔ظلم صحیح طور پر اس وقت ہی ختم ہوتا ہے جب مظلوم اخلاقی طور پر اچھی زندگی گزارنے لگتا ہے ظلم ایک غلیظ چیز ہے کیونکہ یہ مظلوم کو اخلاقی اور روحانی طور بالکل تباہ

کر دیتا ہے ۔ظلم سے نجات دینے والی اکثر تحریکوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایک ظلم سے نجات دلاتی ہیں اور دوسرے ظلم کے حوالے کر دیتی ہیں۔مثال کے طور پر غربت ختم ہوتی ہے لیکن اس کی جگہ شراب نوشی کی زندگی لے لیتی ہے یا مظلوم لوگ آزاد ہو جائیں تو پھر انھیں ظالمانہ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مثلاً افریقہ کے غریب سفید فام اس لیے امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں کہ وہاں کے سیاہ فام لوگوں پر خوفناک زندگی مسلط کر دیں ۔یہودی یورپ میں ظلم اس لیے بند کرتے ہیں کہ فلسطینیوں کو اس کا نشانہ بنائیں۔

لیکن اسلام مظلوموں کو نجات دلا کر انھیں نیکی کا راستہ اختیار کرنے کی ہدایت دیتا ہے یہ چیز انتہائی اہم ہے۔اسلام میں مظلوم ایک نرالی زندگی کی طرف گامزن ہوتے ہیں ،جو کہ عزت اور شفقت سے بھری ہوئی ہے۔یوں اسلام ایک حقیقی آزادی ہے۔غریب، جاہل اور مظلوم لوگ اگر اسلام قبول کرلیں تو وہ حقیقی دولت ،علم اور مساوات سے آشنا ہونگے ۔اس لیے اسلام واقعی آزادی کی طرف ایک حقیقی راستہ ہے۔

میرے بہت سارے خدشات بھی ہیں ۔لوگوں سے اسلام کے متعلق گفتگو کرنا اس لیے مشکل ہے کہ نسل پرستی انھیں گھیرے ہوئے ہے ۔ دشمن نشریاتی اداروں کے جھوٹے اور اوچھے واویلا کے باعث اسلام کے متعلق ایک اچھا لفظ بھی سنا جانا نہایت مشکل ہے تقریباً کسی بھی شخص نے کبھی اسلام کی اصل اور مثبت تصویر نہیں دیکھی ۔لیکن یہ بلا شبہ وہ کچھ ہے جس کی ہر شخص توقع کرتا ہے ۔جو لوگ اسلام کے خلاف واویلا کر رہے ہیں

وہ خود ظالم ہیں اور یہی اسلام کی سچائی کا ثبوت ہے ۔ کہ اس قسم کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اگر اسلام ظالم ہوتا تو وہ لوگ اس سے محبت کرتے بالکل وہی لوگ عدمِ مساوات ،نسل پرستی ،جہالت اور اوہام سے محبت کرتے ہیں۔

لیکن میری سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ مسلمان بذات خود زیادہ تر پکے مسلمان نہیں ہیں ۔ جب میں مسلمان لوگوں کے گھروں میں جاتا ہوں تو ان کے بچے غیر مسلموں جیسے اخلاق و عادات کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔اور ان کی بہت ساری حماقتوں کی تقلید کرتے نظر آتے ہیں ۔ بہت سارے اسلام کا نام سنتے ہی معذرت کرنے لگتے ہیں اور ذاتی مفادات کے لیے ظالموں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔لیکن ظالم اس مفاد پرستانہ ذہنیت کے حامل افراد کو کبھی اپنے جیسا تسلیم نہیں کریں گے۔سب سے بری شے یہ ہے کہ کچھ مسلمانوں نے فرقے بنا لئے ہیں ۔فرقہ پرستی اسلام میں بالکل ایک اجنبی چیز ہے کسی بھی شخص کو اس کی اہمیت میں مبالغہ آرائی نہیں کرنی چاہیے۔مثال کے طور پر میں جس قصبے میں رہتا ہوں وہاں پندرہ مساجد ہیں اور میں کسی بھی دن کسی بھی مسجد میں کوئی بھی نماز پڑھ سکتا ہوں۔ یہ چیز عیسائیت کے متعلق ایک لمحے کے لیے بھی نہیں کہی جا سکتی۔ان کے ہاں ایک دوسرے کی عبادتوں اور چرچوں میں جانا اور فراخ دلی سے ایک دوسرے کی عبادتوں میں شریک ہونا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔لیکن مسلم معاشرے میں تقسیم در تقسیم کا عمل ہے ۔ میں ان سب چیزوں کو مسترد کرتا ہوں اسلام مں صرف ایک خدا ،ایک

قرآن اور ایک کعبہ ہے اپنے آپ کو صرف ایک مسلمان تصور کرتا ہوں اور اس سے زیادہ نہیں۔

میں جب سے مسلمان ہوا ہوں میرے معمولات بالکل ٹھیک چل رہے ہیں ۔جس تقریب میں میں نے اسلام قبول کیا تھا وہاں مجھے ایک شخص نے بتایا کہ میں پیدائشی مسلمان ہوں ۔اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جب سے میں نے اسلام کے متعلق پڑھنا شروع کیا ہے وہ اس وقت سے لیکر اب تک چالیس سال بعد بھی اسلام کے متعلق نئی چیزیں پڑھ رہا ہے ۔مجھے توقع ہے کہ میں اسلام میں زیادہ سے زیادہ گہرائی تک جاؤں گا۔زیادہ سے زیادہ پڑھوں گا اور اس کے ذائقوں سے زیادہ لطف اندوز ہونگا۔مجھے یہ بھی توقع ہے کہ اسلام زندگی کے متعلق جو جواب دیتا ہے میں اسے بہتر انداز میں سمجھوں گا۔میں دعا کرتا ہوں اور مجھے واقعی توقع ہے کہ اسلامی تحریک پھلے پھولے گی اور ترقی کرے گی۔اور مظلوموں کے لیے حقیقی سکون اور امید لائے گی۔ایک انگریز ہونے کی حیثیت سے میں انگلینڈ کی آبادی کے مسلمان ہونے کی دعا کرتا ہوں میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ جو لوگ اس کتاب کا مطالعہ کریں خواہ وہ اسلام نہ بھی قبول کریں ۔لیکن اسلام کو محبت کی نگاہ سے دیکھیں اور نوع انسانی میں اسلام کی انتہائی قابل قدر خدمات کی قدر کریں۔

آخر میں، میں گزارش کرونگا کہ جو لوگ اس کتاب کا مطالعہ کریں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں ۔اللہ تعالیٰ کے ذکر سے واقعی انسانوں کے دل سکون پاتے ہیں۔ الحمد للہ

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَلَّتْ حِيْلَتِيْ

اَنْتَ وَسِيْلَتِيْ اَدْرِكْنِيْ يَا سَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

طالبِ دعا: محمد الیاس قادری رضوی ○ محمد منشا تابش قصوری

تجلیاتِ تعارف

مبلغ اسلام الحاج پیر محمد الیاس قادری کشمیری

مفکر اسلام ادیب ملت محمد منشاء تابش قصوری

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، خطیب مرید کے پاکستان

اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ جسے اپنے انعام واکرام سے نوازنا چاہتا ہے اسے اپنا قرب اور محبت سے نواز دیتا ہے وہ یوں کہ اسے اپنے دین کی معرفت اور خدمت کے جذبہ صادقہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ تاریخ اسلام کا سرسری سا مطالعہ کیجئے تو واضح ہوگا کہ جن بندوں کو اوصاف کمالیہ سے نوازا گیا ہے وہ تمام کے تمام تاحیات خادمِ دین متین رہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ سے عشق ومحبت کا عملاً یہی مظاہرہ ہے کہ تن، من، دھن، وطن کی قربانی سے اسلام کی نشر واشاعت کو انسان اپنا مشن بنائے۔ اس مقدس مشن میں ایسی لذت اور ایسا سرور ہے جو دنیا بھر کی کسی اور شئی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس سے جو کیف ومستی طاری ہوتی ہے اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں، یوں بھی اسے وہی جانے جو اس منزل کا راہی ہے۔

تاہم کاروانِ عشق کے ایسے ہی قافلہ سالاروں میں مبلِّغ اسلام مولانا الحاج پیر محمد الیاس قادری نوشاہی کشمیری مدظلہ، کا نام نامی اسم گرامی بڑا واضح دکھائی دیتا ہے جن کی تبلیغی، تعمیری، اشاعتی سرگرمیاں تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، دنیائے اسلام کے بیسیوں اہل قلم سے ان کے بڑے گہرے مراسم ہیں، موصوف بڑے مستعد، قابل اور نباض وقت ہیں۔

عشق حبیب کبریا ﷺ کی نعمت تو انہیں وراثتاً اپنے والدین کریمین سے حاصل ہے، اس لئے کہ ان کے والدین شریعت اسلامیہ پر جنون کی حد تک عمل پیرا تھے، شب زندہ دار، تہجد گزار والدین نے نہ جانے اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ اور اس کے محبوب، نبی کریم، رؤف رحیم ﷺ کی بارگاہِ

قدسیہ میں کس کس انداز سے التجائیں اور دعائیں کی تھیں کہ آج ان کا فرزندار جمند دیارِ غیر میں ہوتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر اپنا نام اور پہچان رکھتا ہے۔

حضرت الحاج پیر محمد الیاس قادری مدظلہ، کی مبارک زندگی نہ صرف عوام بلکہ خواص کے لئے بھی عملی نمونہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ علماء مشائخ اہل سنت اپنے مریدین، معتقدین اور متوسلین میں ایسا جذبہ بیدار کریں کہ پورے درد و سوز سے خدماتِ دینیہ میں منہمک ہوں، یہ بلند مرتبت شخصیات عملاً خلوصِ نیت سے تبلیغِ حق کے لئے قدم اٹھائیں تو اسلامی انقلاب کی مسدود راہیں وا ہو سکتی ہیں۔

عالمی سطح پر اہل سنت و جماعت میں جو جمود طاری ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اکابر ملت اپنے اپنے محدود دائرے میں مقید ہیں، اجتماعی کاوشیں نہ ہونے کے برابر ہیں، جو حضرات قیادت کے اہل ہیں اگر وہ وسعتِ قلبی سے کام لیں تو کافی حد تک جمود و تعطل کو توڑا جا سکتا ہے، سچی بات ہے ہم ہر شعبہ علم میں ترقی معکوس کا شکار ہیں، انفرادی طور پر جو کام ہو رہا ہے اسے مربوط کرنے کی اشد ضرورت ہے مگر اس کے لئے تو ایثار و قربانی، خلوص و للّٰہیت کا نسخہ ہی کارآمد ہو سکتا ہے۔ مولانا الحاج پیر محمد الیاس قادری مدظلہ، حتی الامکان اسے استعمال فرما رہے ہیں۔

قارئین کرام! پیر صاحب موصوف کے تبلیغی، اصلاحی، فلاحی، تعمیری، تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کارناموں کو روشناس کرانے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے احوالِ زندگی کا ہلکا سا خلاصہ پیش کروں، جو ہر صاحبِ عظمت کے تعارف کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ملاحظہ فرمایئے:

میرے ممدوح مولانا علامہ الحاج پیر محمد الیاس قادری مدظلہ، آزاد کشمیر کے سب سے بڑے ضلع میر پور کے ایک مشہور قصبہ چھتروہ میں 23 ستمبر 1949 کو چوہدری گلاب دین مرحوم کے ہاں پیدا ہوئے، جو اپنے علاقہ میں مشہور زمیندار تھے، ان کی زندگی دینی امور سے معمور تھی، صاحب ثروت ہونے کے باعث غرباء مساکین اور عام مسافر مہمانوں کی خدمت ان کا شعار تھا، انہوں نے گجر خان میں بھی اس دور کے تقاضوں کے مطابق ایک خوبصورت رہائش گاہ بنائی نیز تجارتی سطح پر تیل کا کارخانہ قائم فرمایا۔

چوہدری گلاب دین علمائے کرام اور اولیائے عظام سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے جب بھی کوئی بزرگ یا عالم ان کے گاؤں میں آتا تو یہ بصد مسرت ان کی میزبانی کا شرف حاصل کرتے نیز اپنے بچوں اور گاؤں کے بچے اور بچیوں کے لئے پیر صاحب کے والد ماجد نے از خود قرآن کریم اور شرعی مسائل کی تعلیم کی ذمہ داری اٹھا رکھی تھی ، بے شمار بچے اور بچیوں نے ان سے قرآن کریم اور مسائل شرعیہ سیکھنے کی سعادت حاصل کی ،مولانا قادری صاحب فرماتے ہیں ہم تمام بہن بھائیوں نے اپنے والد ماجد سے ہی قرآن کریم مع ترجمہ وتفسیر پڑھا۔

بیماری اور شفاء:

مولانا الموصوف سات ،آٹھ سال کے تھے کہ'' سوکڑے'' کی بیماری میں مبتلا ہو گئے سکول جانا چھوٹ گیا، بہت علاج ہوا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی!

ان دنوں آپ کے والدین گوجر خان رہائش پذیر تھے،موصوف کے والد ماجد چوہدری گلاب دین کو کسی دوست نے مشورہ دیا کہ بچے کو امام بری سرکار علیہ الرحمۃ پر لے جائیں،اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کے صدقے اسے صحت سے نوازے گا، چنانچہ آپ کے والد ماجد اٹھا کر وہاں پہنچے دل کی گہرائی اور بڑے درد وسوز سے اللہ تعالیٰ کے حضور،امام بری سرکار کے وسیلہ جلیلہ سے دعا کی جو فوراً قبول ہوئی اور آپ فوراً انہی لمحات میں ہی صحت سے بہرہ مند ہوئے ،اور پھر دوڑتے ہوئے گھر آئے چند دن گزرنے نہ پائے تھے کہ مکمل طور تندرستی کی نعمت سے شاد کام ہو گئے اور ہم عمر ساتھیوں سے آپ کی طاقت بڑھ گئی اور پھر باقاعدگی سے میٹرک تک تعلیم کو جاری رکھا۔

حضرت پیر صاحب مدظلہ کے والدین آپ کو عالم دین بنانا چاہتے تھے گو آپ نے مروجہ دینی علوم وفنون کو باقاعدہ طور پر تو حاصل نہ کیا مگر خداداد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے علوم دینیہ میں بھی خاصی حد تک کامیابی حاصل کی ،آپ کا مطالعہ بہت وسیع اور دماغی قوت اخذ قابل رشک ہے ، اردو اور انگریزی زبان میں مہارت رکھتے ہیں ،اور آپ نے کئی کتابوں کا اُردو اور انگریزی تراجم کیے اور دوسروں سے بھی کروائے اور انہیں شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔

برطانیہ جلوہ گری:

مکرم جناب الحاج پیر محمد الیاس قادری 1964 میں برطانیہ پہنچے، آپ فرماتے ہیں آج کے برطانیہ سے اس وقت کا برطانیہ مختلف تھا، اس دور میں مساجد نہ ہونے کے برابر تھیں، سب سے پہلی مسجد بریڈفورڈ میں حضرت الحاج پیر سید معروف حسین صاحب قادری نوشاہی دامت برکاتہم بانی انجمن تبلیغ الاسلام کی سرپرستی میں بنائی گئی جس کے بانیوں میں پیر صاحب موصوف کا نام بھی آتا ہے۔

شادی خانہ آبادی:

پیر محمد الیاس صاحب قادری جب برطانیہ گئے تھے ابھی مجرد زندگی بسر کر رہے تھے ۔1969ء آپ کا وطن آنا ہوا، والدین کی خواہش کے مطابق اپنے ہی خاندان میں ایک نہایت عابدہ ،صالحہ خاتون سے شادی ہوئی اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے نیک اور صالح اولاد کی نعمت سے نوازا ہے، بمع اہل وعیال آپ تا دمِ تحریر سٹاکپورٹ (یوکے) برطانیہ میں بڑی مصروف زندگی گزار رہے ہیں، اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بمع اہل وعیال اور احباء و رفقاء خوش وخرم رکھے۔آمین

سعادتِ حج وزیارت:

سید عالم، نورِ مجسم، محسنِ اعظم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضری کی کسے تڑپ نہیں ،ادنیٰ سے ادنیٰ حضور پر نور ﷺ کا نام لیوا کیوں نہ ہو، بظاہر اس کے ہاں وسائل موجود نہ ہو پھر بھی اس کا دل حاضری کے لئے ہر وقت تڑپتا رہتا ہے۔اس کی ایک ہی آرزو انگڑائی لیتی رہتی ہے کہ سرکار ﷺ کرم فرمائیں اور اپنے گنبد خضریٰ کی زیارت کا شرف عطا کریں، اور پھر کرم بالائے کرم ہو کہ حجِ کعبہ کی دولتِ عظمیٰ بھی نصیب ہو جائے، راقم السطور بھی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں یوں استغاثے پیش کرتا رہا ہے۔

زیارت روضہ پر نور کی ہو حج کعبہ ہو
ہے بس یہ التجا اے سونے والے سبز گنبد کے

o

کبھی ہو طواف حرم مجھ کو حاصل

کبھی دیکھوں جا کر مزارِ مدینہ

o

میرا مسکن مدینہ ہو میرا مدفن مدینہ ہو
میرا سینہ مدینہ ہی بنا دو یا رسول اللہ
یہ نظریں آپ کے دیدار کی طالب ہیں مدت سے
رُخ پر نور سے پردہ اُٹھا دو یارسول اللہ
یہی ہے آرزوئے زندگی تابش قصوری کی
دمِ آخر رخِ زیبا دکھا دو یارسول اللہ

o

ہے یہ تابش قصوری غلام آپ کا، ذکر کرتا ہے یہ صبح و شام آپ کا
ہو مقدر میں اس کے بھی جام آپ کا مرحبا، مرحبا، مرحبا، مرحبا

رہے پیشِ نظر ہردم مرے روضہ محمد ﷺ کا
خدایا مجھ کو دکھلا دے کبھی جلوہ محمد ﷺ کا
نہ جنت کی مجھے حسرت نہ مال وزر کا طالب ہوں
الٰہی میرا منشا ہے دکھا چہرہ محمد ﷺ کا

چنانچہ میری معروضات کو باریابی کا شرف حاصل ہوا اور بار بار حج وزیارت کے لئے حرمین شریفین کی خاک پاک کو سرمہ بنانے کی سعادت نصیب ہوئی، مگر بقول محب صادق، عاشق زار،

چہ حسنت آنکہ در یکدم رخت راصد نظر بینم
ہنوزم آرزو باشد کہ یک بار دِگر بینم

o

مشرف گرچہ شد سہ بار تابش
ہے حسرت حاضری کی مثل جامی

بقول حضرت نسیم بستوی علیہ الرحمۃ:

محبت کی بے تابیاں کچھ نہ پوچھو
رخ مصطفےٰ کا خیال آ گیا ہے

چنانچہ ایسی ہی بے تابیوں کی مالا پروتے ہوئے میرے ممدوح مکرم جناب پیر محمد الیاس کشمیری مدظلہ، صاحب 1972ء میں عازمِ حرمین شریفین ہوئے اور حج و زیارت کی دولت حسنہ سے مالا مال ہوئے۔ اللہ رب العزت جل و علیٰ کی رحمت اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی نگاہِ کرم سے بار بار نواز ے جارہے ہیں، دعا ہے یہ سلسلہ تاحیات برقرار رہے۔ آمین

ورلڈ اسلامک مشن کا آغاز:

پیر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ 1972ء میں حج کے موقع پر ہی ''ورلڈ اسلامک مشن'' کا قیام عمل میں آیا، یہ ایک عظیم منصوبہ تھا، چنانچہ حج و زیارت سے واپسی پر حضرت الحاج پیر سید معروف حسین قادری نوشاہی مدظلہ، کی سرپرستی میں ''ورلڈ اسلامک مشن'' کی پہلی کانفرنس بریڈفورڈ میں منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں علمائے پاک و ہند کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ کے اکابر ارباب حل وعقد بھی شریک ہوئے، اس کے قیام سے جو پلیٹ فارم اہل سنت و جماعت کو مہیا کیا گیا تھا، وہ پوری طرح روبہ عمل میں نہ آنے کی وجہ سے دم توڑ گیا۔

رضا اکیڈمی کا قیام:

چودہویں صدی کے عظیم مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ چونکہ دنیائے اسلام میں حقانیتِ اہل سنت کا ایک نشان بن چکے تھے، ان کی مبارک اور پاکیزہ تعلیمات سے انسانیت کو مستفیض و مستفید کرنے کے لئے ضروری تھا کہ دیارِ غیر میں بسنے والے نہ صرف مسلمانوں کو روشناس کرایا جائے بلکہ ان کے حکیمانہ قلم سے غیر مسلموں کو بھی استفادہ کے مواقع فراہم کئے جائیں ۔تاکہ اسلام کے نور اور عشق رسول ﷺ کی لازوال دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، چنانچہ اس مقدس مشن کی تکمیل کے لئے ''رضا اکیڈمی'' سٹاکپورٹ یوکے برطانیہ کا قیام 1979ء میں عمل میں آیا اور پھر اس کے قائم کرتے ہی اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے ''سلام'' مصطفےٰ جانِ رحمت پہ

لاکھوں سلام'' کا انگریزی میں منظوم ترجمہ پروفیسر غیاث الدین قریشی کے رشحات فکر سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا، ساتھ ہی ساتھ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ ''عربی'' کا انگلش ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد حنیف فاطمی کے قلم سے شائع ہوا، بچوں کے لئے ابتدائی اسلامی تعلیم کی دو کتابیں انگریزی میں شائع ہوئیں اور پھر عظیم ترین کام ''کنز الایمان'' اردو ترجمہ قرآن اعلیٰ حضرت، انگریزی میں پہلی بار ڈاکٹر سید محمد حنیف فاطمی سے کرایا، جو رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔

رضا اکیڈمی برطانیہ کے شاہکار کاموں میں ایک نہایت اہم کام'' ماہنامہ دی اسلامک ٹائمز'' کا اجراء ہے جو 1985ء میں کیا گیا، اور آج 2005ء تک بیس سال ہونے کو ہیں کہ تعطل کا شکار نہیں ہوا۔ اس اسلامی انگلش میگزین کی تبلیغ واشاعت سے کئی پڑھے لکھے انگریز اتنے متاثر ہوئے کہ انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے میں انکی رہنمائی ہوئی اس کے لکھنے والوں میں پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون صاحب، پی ایچ ڈی، کیمبرج یونیورسٹی، پروفیسر محمد یوسف اینڈریو، محترمہ آمنہ صاحبہ محترمہ مریم وغیرھم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ رضا اکیڈمی کے بانی ممبروں میں پروفیسر ڈاکٹر محمد حنیف فاطمی، پروفیسر غیاث الدین قریشی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون، ایسے اہل علم وقلم دار فنا سے دار بقاء کی طرف منتقل ہو گئے ان کے یکے بعد دیگرے وصال نے پیر محمد الیاس قادری مدظلہ، کو ابتلاء وآزمائش سے دوچار کر دیا۔ مگر صبر کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا، اس لئے نہایت ہمت، حوصلے اور تحمل، بردباری اور حلم سے اپنے تبلیغی مشن کو پروان چڑھانے میں شب و روز ایک کئے ہوئے ہیں۔

بیعت وخلافت:

عرفان واحسان، تصوف ومعرفت، طریقت اور حقیقت یہ تمام تر اصطلاحیں شریعت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کی شاخیں ہیں۔ ایمان وایقان کی آبیاری اور حسن وخوبصورتی کے لئے علم کے ساتھ ساتھ عمل کا نور بھی شامل ہو تو دولت عرفان مضبوط ومستحکم ہوتی ہے۔ اکابرین اسلام کا معمول ہے، بیعت وخلافت پر قرآن وسنت ناطق ہیں، اولیائے کرام مشائخ عظام اور علمائے ذوی الاحترام کا معمول بیعت وارشاد ہے، مرشد کامل کی رہنمائی، دنیا وعقبیٰ میں کامیابی کی ضامن ہے، بناء علیہ حضرت الحاج پیر محمد الیاس قادری مدظلہ، نے بھی اسی سنت متواترہ کو اپناتے ہوئے غوث الوقت حضرت نوشہ گنج

بخش قادری علیہ الرحمۃ کے خزینہ معرفت وحقیقت کے امین وارث حضرت علامہ الحاج پیر ابو الکمال برق نوشاہی قادری علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت 1981ء میں ہونے کا شرف حاصل کیا، خلافت کی نعمت خاندان امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے 2003ء میں رضوی اور سادات اشرفیہ کچھ چھہ شریف کی طرف سے 2003ء اشرفی نسبت سے موسوم ہیں، حضرت علامہ ابو الکمال برق نوشاہی قادری علیہ الرحمۃ متاثر کن شخصیت تھے، جو بھی ان سے ملتا اجنبیت کا اسے احساس تک نہ ہوتا۔

راقم السطور تابش قصوری کو بھی حضرت علامہ ابو الکمال برق نوشاہی قادری علیہ الرحمۃ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہے، یہ ان دنوں کی بات ہے جب حضرت علامہ مولانا بحر العلوم مفتی سید محمد افضل حسین شاہ صاحب قادری مونگیروی علیہ الرحمۃ بمع اہل وعیال بریلی شریف سے ڈوگہ شریف تدریس کے لئے تشریف لائے، حضرت مفتی صاحب بریلی شریف میں درس تدریس کے ساتھ ساتھ امین دارالافتاء بھی تھے۔ راقم الحروف ان دنوں مرکزی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ میں زیرِ تعلیم تھا۔ مگر رسائل وجرائد پاک وہند میں میرے مضامین تسلسل سے شائع ہو رہے تھے جن کی برکات سے اہل علم وقلم سے میرے روابط قائم ہوئے۔ ان اکابر میں حضرت مفتی سید محمد افضل حسین شاہ صاحب علیہ الرحمۃ بھی ہیں، آپ کے بیسیوں خطوط میرے پاس محفوظ ہیں جو بھارت سے آپ ارسال فرمایا کرتے تھے، القصہ ان کی پاکستان تشریف آوری کے وسیلہ سے مجھے سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے امین ووراث حضرت علامہ ابو الکمال برق نوشاہی قادری علیہ الرحمۃ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوا، حضرت علامہ ابو الکمال قادری علیہ الرحمۃ حضرت الحاج پیر سید معروف حسین شاہ صاحب عارف نوشاہی مدظلہ، کے برادر اکبر ہیں، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس روحانی خاندان کے فیوض برکات سے زمانہ بھر کو بہرمند فرماتا رہے۔ آمین

اشاعتی استحکام کے لئے روابط:

حضرت الحاج پیر محمد الیاس قادری مدظلہ، کو مسلک حق اہل سنت وجماعت کی ترویج اور تبلیغ واشاعت کا عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ وہ قلم کے دھنی ہیں۔ انگلش، اردو میں مقالات لکھنا لکھوانا، تراجم کرنا اور کروانا، اہل علم وقلم سے ربط وتعلق قائم کرنا اور اسے مستحکم رکھنا آپ کا معمول ہے، دنیا کے

کسی بھی کونے میں کسی اچھے قلمکار اور مقالہ نگار کی خبر ہوئی تو فوراً اس سے بذریعہ فون اور خط و کتابت رابطے شروع کر دیئے اور ان سے جوہرِ علمیہ کی طلب اپنا وظیفہ بنایا۔ برصغیر پاک و ہند میں صاحبان قلم سے تحریری کام لینے شروع کیے اور فری یا مفت کو شعار نہ بنایا جیسے ہمارے بعض سُنّی احباب و ناشرین کا معمول ہے، کام لینے کے لئے منت و سماجت اور جب کام نکال لیا تو منہ پھیر لیا، مزید بر آں یہ کہ باتیں بنانی شروع کر دیں اور پھر وہی کام کسی دوسرے نام سے مارکیٹ میں بھی آ گیا، اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اگر طوفان میں ہو کشتی تو ہو سکتی ہیں تدبیریں
اگر کشتی میں طوفان ہو تو کیا تدبیریں کام آئیں

الغرض: حضرت پیر صاحب شب و روز مسلک حق کی ترویج و اشاعت میں عشق و مستی کے ساتھ مصروف ہیں، آپ کی تبلیغی و اشاعتی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے بڑے بڑے اکابر نے مکتوبات گراں مایہ سے نوازا۔ جن میں خاص طور پر حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مفتی اعظم پاکستان مولانا الحاج مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، شیخوپورہ (پاکستان) اور نازش لوح و قلم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری مجددی (کراچی) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ نیز بعض شعراء نے بھی منظوم خراجِ عقیدت و محبت سے شاد کام کیا۔

ذیل میں منظوم نذرانہ بطور نمونہ ملاحظہ فرمایئے اور موصوف کے لئے دعا فرمائیں تا کہ یہ مسلک کا درد و سوز رکھنے والی شخصیت تا دیر خدمت لوح و قلم میں مصروف رہے اور زمانہ مستفیض ہوتا رہے۔ آمین ثم آمین، بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ ﷺ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

فقط:

محمد منشا تابش قصوری، مرید کے

19 صفر المظفر 1426ھ / 30 مارچ 2005ء

☆☆☆☆☆

کنز الایمان

(25 اکتوبر 85ء بریڈفورڈ میں کنزالایمان کے انگریزی ترجمہ کی نقاب کشائی کے موقعہ پر لکھی گئی ایک نظم)

کرامت ہے امامِ اہلسنّت قطب دوراں کی
مچی اک دھوم ہے سارے جہاں میں کنزِ ایمان کی
یہ فیض جاوداں دیکھو بریلی کے مسیحا کا
ضیاء ہے مشرق ومغرب میں پھیلی نورِ قرآن کی
جہانِ علم و عرفان میں ہے یہ تفسیر لاثانی
کہ جس نے پاسبانی کی ہمارے دین وایماں کی
بُجھانے کی بہت کیں کوششیں بادِ مخالف نے
مگر بڑھتی گئی اُتنی ہی لو شمعِ فروزاں کی
نویدِ رونمائی جب سُنی تفسیر قرآں کی
خوشی سے جگمگا اٹھی ہے دُنیا اہل ایماں کی
فلاحِ دین و دنیا ہے کلامِ پاک کی خدمت
کہ ہے موقوف جس پر کامیابی نوعِ انساں کی
مبارک ہو جناب اِلیاس کو صدہا مبارک ہو
ہے ملی جن کو سعادت خدمتِ قرآں کی
مبارک خدمتِ دینِ مبین کی اس سعادت پر

مبارک زادِ راہِ آخرت کے سازو ساماں کی
جنابِ فاطمی کی شانِ خوش بختی کا کیا کہنا !
خدائے پاک نے بخشی ہے اُن کو فہم قرآں کی
مبارک صد مبارک پیر کامل میرِ محفل کو
ہے بزمِ اہلِ دل مرہونِ منت جن کے فیضان کی
کرشمہ ہے یہ فیضانِ نگاہِ پیر کامل کا !
مہک پھیلی ہے دُنیا بھر میں نوشاہی گلستان کی
مبارک باد کے لائق ہیں شہ معروف نوشاہی
چمن میں جن کے دم سے ہیں بہاریں علم و عرفاں کی
کرن اُمید کی ہیں جن کی مثلِ شمع فروزاں کی
حقیقت میں یہ سب صدقہ ہے صابر ''شاہِ رنمل'' کا
طفیل اُن کے خدائے پاک نے ہر مشکل ہے آساں کی

☆☆☆

اجالوں کا سفیر

(ماہنامہ اسلامک ٹائمز مانچسٹر کی تیسری سالگرہ پر خراجِ عقیدت)

مہر و اخلاص و مروت کا علم بردار ہے
دشمنانِ دینِ حق سے برسرِ پیکار ہے
شمعِ روشن کی طرح بن کر اُجالوں کا سفیر
ظلمت و الحاد کے اِس دیس میں ضوبار ہے
اک صدائے دل نشیں سے مثلِ آوازِ جرس
مسلمِ شوریدہ سر کر رہا بیدار ہے
اِس اندھیروں کے جہاں میں بن کے مشعل نور کی
فیض اہلِ دِل کے ہر سُو بانٹتا انوار ہے
پیرِ کامل برق شہ جو تھے امامِ حال وقال !
اُن کے فیضانِ نظر کا کر رہا اظہار ہے
حضرتِ الیاس کا یہ کارنامہ ہے عظیم
حق تعالیٰ نے انہیں بخشا دلِ بیدار ہے
ارضِ ظلمت میں مثالِ ماہِ نو ہے ضوفشاں
اِس کا ہر عنوان صابرؔ نور کا مینار ہے

☆☆☆

باغِ اُلفت کی آبیاری

(یہ نظم اسلامک ٹائمز مانچسٹر کی چوتھی سالگرہ کے موقع پر لکھی گئی)

جہانِ صدق وصفا کی باتیں وفا کے نغمے سنا رہا ہے
اندھیری راتوں میں شمع بن کر نشانِ منزل دکھا رہا ہے
دیارِ ہمت کا بن کے قاصد پیام پہنچا رہا ہے حق کا
عمل کی دنیا کا بن کے رہبر یہ غافلوں کو جگا رہا ہے
جو اپنے خونِ جگر سے کرتے ہیں باغِ الفت کی آبیاری
اُنھی سے مہر و وفا کا گلشن ہمیشہ پھولا رہا ہے
بھٹک رہے ہیں گلی گلی میں جو چھوڑ کر مصطفٰے کے در کو
زمانہ اُن تیرہ باطنوں کو جہاں در، در پھرا رہا ہے
دیارِ عرب وعجم نے پائی جو شاہِ زملؒ کے آستاں سے
سُنا ہے معروف شاہ عارِف وہی خزانہ لٹا رہا ہے
جنہوں نے سب کچھ لٹا کے اپنا کیا ہے رسمِ وفا کو تازہ
اُنھی کی قربانیوں سے زندہ جہانِ صدق وصفا رہا ہے
خوشی سے ناموسِ حق کی خاطر ستم اٹھاتے ہیں اپنی جاں پر
یہی جہاں میں ازل سے صابر طریق اہلِ وفا رہا ہے

☆☆☆

پیرِ مغاں

(اسلامک ٹائمز کی پانچویں سالگرہ کے موقعہ پر جناب محمد الیاس نوشاہی سے خطاب)

ہوا دل شاد و خرم دیکھ کر فیض رواں تیرا
رہے آباد میخانہ سدا پیر مغاں تیرا
رہے محفوظ ہر آفت سے گلشن جاوداں تیرا
ہر اک مشکل میں حامی ہو خدائے دو جہاں تیرا
سدا برسا کریں لطف و کرم کی بارشیں تجھ پر
نگہبان ہو دو عالم میں شفیع انس و جاں تیرا
صراطِ عشق و الفت پر رہے محکم قدم تیرا
ہو ہر اک گام پر نوشاہِ عالم پاسباں تیرا
بجا ہے ناز تو جتنا کرے اپنے مقدر پر
کہ سید برق نوشاہی ہے میرِ کارواں تیرا
تر و تازہ رہے تیری امیدوں کا چمن ہردم
کہ جس کو دیکھ کر ہوتا رہے دل شادماں تیرا
ہمیشہ خدمتِ دینِ مبین ہو مشغلہ تیرا
ترقی پر رہے یونہی سدا یہ "ترجماں"(۱) تیرا
وفا کی راہ میں بادِ مخالف سے نہ گھبرانا
کہ اس منزل میں اے راہی ہے یہ بھی امتحاں تیرا
دُعا یہ صابر عاصی کی ہے الیاس نوشاہی
قیامت تک پھلا پھولا رہے یہ گلستاں تیرا

از: قاضی مرتضیٰ صابر نوشاہی بریڈفورڈ

(۱) اسلام ٹائمز مراد ہے۔

اسلامک ٹائمز

(یہ نظم اسلامک ٹائمز مانچسٹر کی چھٹی سالگرہ کے موقع پر لکھی گئی)

صداقت اور حیا کا ترجماں ہے
خلوص و اتقا کا راز داں ہے
مضامیں اس کے ہیں گلہائے رحمت
حقائق کا سجا اک گلستاں ہے
دکھاتا منزلِ صدق و یقیں ہے
سُناتا اہلِ حق کی داستاں ہے
ہے بے شک ترجمانِ اہلسنت
یہ راز ہر سطر سے اس کی عیاں ہے
وہ خوش قسمت جواں حاجی اِلیاس
عطا جن کو ہوا فیضانِ جاں ہے
ہے نصب العین اُن کا خدمتِ دیں
جو وجہ افتخار دو جہاں ہے
جسے کہتے ہیں معراجِ سعادت
وہ قرآں کی اطاعت میں نہاں ہے
الٰہی صدقہ نوشاہِ عالمؒ
جو اہل معرفت کا دبستاں ہے
رہے یہ چشمۂ فیضان جاری
دُعائے صابر آشفتہ جاں ہے

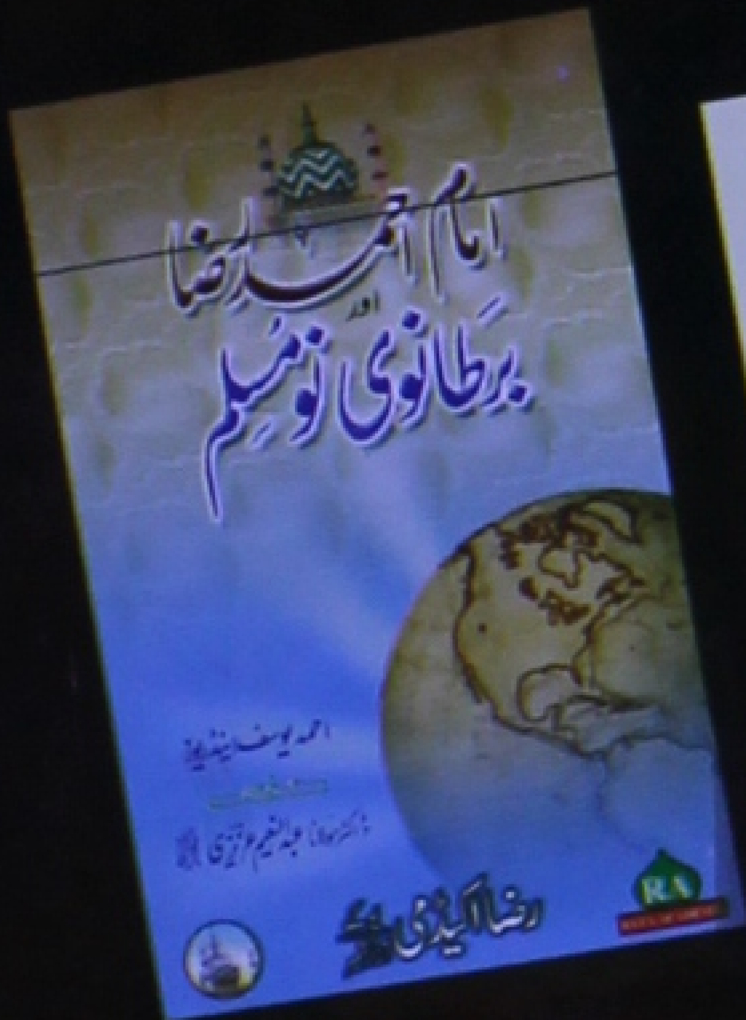
عشق و محبت کا پروانہ

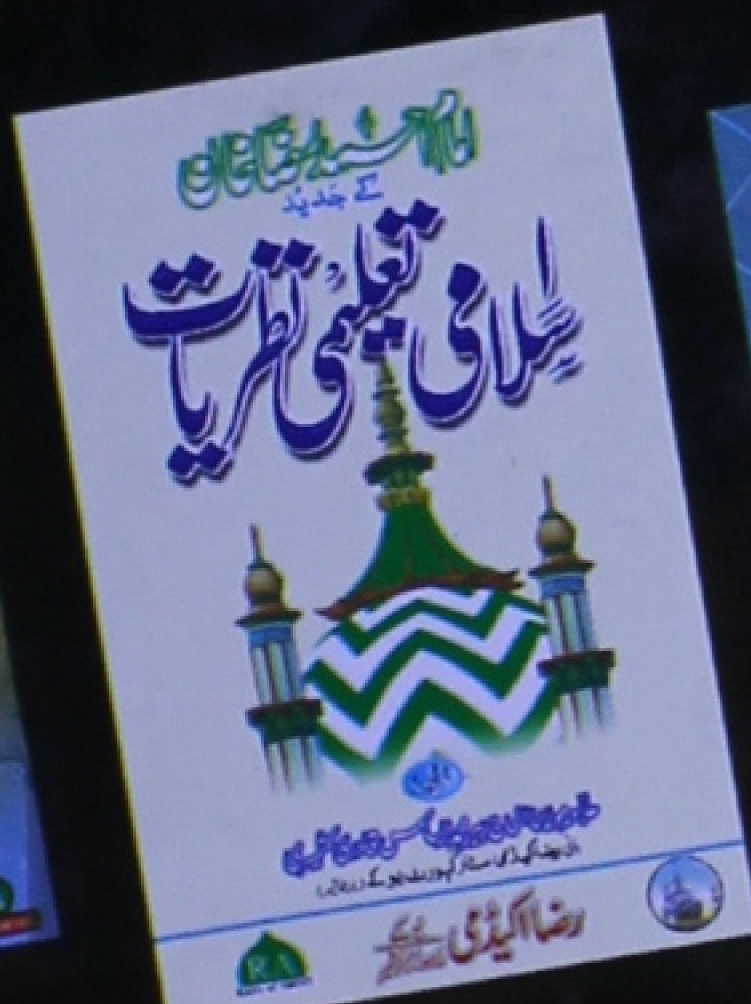
(دی اسلامک ٹائمز کی دسویں سالگرہ کے موقع پر)

دیارِ کفر میں اسلام کا ڈنکا بجاتا جا
اندھیری رات میں ایمان کی شمعیں جلاتا جا
حدیثِ دردِ دل اہلِ محبت کو سناتا جا
مسرت کا پیامی بن کے روتوں کو ہنساتا جا
پیامِ شوق بن کر شوق کی محفل سجاتا جا
صدائے درد بن کر سونے والوں کو جگاتا جا
بھلا بیٹھے ہیں جو درسِ وفا اُن غم نصیبوں کو
سبق بھولا ہوا عشق و محبت کا پڑھاتا جا
بڑھی جاتی ہے ہر لحظہ بہ لحظہ تشنگی جن کی
مئے توحید کے ساغر انہیں بھر بھر پلاتا جا
ہے دنیا خندہ زن جن غم زدوں کی تشنہ کامی پر
مئے توحید کے ساغر انہیں بھر بھر پلاتا جا
بھٹکتے پھر رہے ہیں جو ضلالت کے اندھیروں میں
دلوں کو اُنکے انوارِ ھدیٰ سے جگمگاتا جا
سکونِ قلب امن و عافیت کی پیاسی دنیا میں
تو نوشہ پیر کے عرفاں کی دولت لٹاتا جا
انھی کے دم سے ہیں رنگینیاں فصلِ بہاراں میں
تو اپنے داغِ دل فصلِ بہاراں کو دکھاتا جا
سکونِ قلب کی دولت اگر منظور ہے صابر
تو یادِ مصطفےٰ سے دل کی بستی کو بساتا جا

دعا گو: قاضی غلام مرتضیٰ صابر قادری، بریڈفورڈ

ترتیب: حافظ محمد وسیم قادری لاہور







اُجالوں کا سفر

رضا اکیڈمی انٹرنیشنل کی بنیاد شیخ الاسلام الشیخ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو جدید تقاضوں کے مطابق خوبصورت شائع کر کے ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچانے کے لیے حضرت علامہ مولانا الحاج پیر محمد الیاس قادری چھتروہی کشمیری مدظلہ العالی نے 1979ء انگلینڈ میں رکھی۔ الحمد اللہ رضا اکیڈمی انٹرنیشنل نے اپنا 25 سالہ طویل سفر مسلسل محنت اور جدوجہد کے ساتھ کامیابی سے مکمل کیا۔ اس مختصر سے عرصے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون (مرحوم) ایم۔اے پی ایچ ڈی کیمرج یونیورسٹی نے 1988ء میں اسلام قبول کرنے کے بعد شیخ الاسلام امام احمد رضا خاں کی تعلیمات کو پڑھنا شروع کیا اور اس قدر آپ کی طرز تحریر سے متاثر ہوئے کہ پھر آپ نے اپنے دوسو مقالات اور بیس کتب انگریزی زبان میں انہیں تعلیمات کی روشنی میں پیر محمد الیاس قادری صاحب کی رہنمائی سے تصنیف فرمائیں۔ ڈاکٹر محمد ہارون امام اہلسنت شیخ الاسلام امام احمد رضا خاں سے اس قدر متاثر تھے کہ اور بہت کچھ آپ کی تعلیمات کے بارے میں لکھنا چاہتے تھے لیکن اسی دوران 1998ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ دنیا کے علوم وفنون اعلیٰ سطح پر پڑھنے کے بعد "میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟" اس کتاب کو پڑھ کر ہزاروں کی تعداد میں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ اب اس کتاب کو اردو ترجمہ میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ رضا اکیڈمی انٹرنیشنل اب تک تقریباً 150 کتب انگلش اور اُردو میں خوبصورت میعار کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے شائع کر چکی ہے اور مستقبل میں بے شمار کتب کو شائع کرنے کا عزم اور جذبہ رکھتی ہے اس لیے رضا اکیڈمی انٹرنیشنل کے تمام اراکین مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہر کام کا اک وقت ہے رضاؔ　　دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

حافظ محمد وسیم رضا قادری

RAZA ACADEMY
INTERNATIONAL
138, Northgate Road, Stockport, UK. Tel: 0161 477 1595
Tel/Fax: 0161 291 1390 E-mail: islamictimes@aol.com